POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 24-25 July 2026, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages 8

HAMARI ZABAN (Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 87 واں سال

Date of Publication: 23-07-2026 • Price: 5/- • 1-7 August 2026 • Issue: 29 • Vol:85

یکم تا ۷/اگست ۲۰۲۶ء • شمارہ: ۲۹ • جلد: ۸۵

صحتِ زبان (۴۷)

رؤف پاریکھ

استعفا، استثنا، مستعفی اور مستثنیٰ

بعض لوگ استعفا کو استعفیٰ اور استثنا کو استثنیٰ لکھتے ہیں لیکن عربی کے ان الفاظ کا درست املا استعفا اور استثنا ہے، بلکہ ان کے عربی املا میں آخر میں ہمزہ (ء) بھی ہے، یعنی استعفاء اور استثناء۔ استعفا کا مادّہ ’ع۔ف۔و‘ ہے اور استعفا (یا استعفاء) کے لفظی معنی ہیں: معافی طلب کرنا، ملازمت یا ذمے داری چھوڑنے کی درخواست کرنا[1]۔

استعفاء اور استثناء دراصل اِستِفعال کے وزن پر ہیں۔ اس وزن پر بعض دیگر الفاظ دیکھیے: اِستحجاب، اِستِعداد، اِستِغفار، اِستِقبال، اِستِفہام۔ اسی وزن پر اِستِفتاء، اِستِدعاء، اِستِسقاء، اِستِنجاء، اِستِغناء، اِستِہزاء وغیرہ ہیں۔ اس وزن پر آنے والے بعض الفاظ کے آخر میں اردو میں الف لکھا جاتا ہے (استدعا، استہزا اور استسقا وغیرہ) لیکن ان کا آخری حرف الف نہیں ہمزہ ہے[2]۔ یعنی عربی قواعد کی رو سے ان کے آخر میں ہمزہ لکھنا چاہیے کیوں کہ اس طرح ان الفاظ کا صحیح وزن یعنی استفعال پورا ہوتا ہے مگر اردو والے عام طور پر یہاں ہمزہ نہیں لکھتے۔

تو جو لوگ استعفا کو استعفیٰ اور استثنا کو استثنیٰ لکھتے ہیں ان سے سوال ہے کہ کیا اس وزن پر جو باقی الفاظ ہیں ان کا املا بھی تبدیل کر کے مثلاً استنجا کے بجائے استنجیٰ، استہزا کے بجائے استہزیٰ اور استدعا کے بجائے استدعیٰ لکھا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔ تو پھر استعفا اور استثنا کے آخر میں الف مقصورہ (یٰ) کیوں لکھ دیا جاتا ہے؟ غالباً اس لیے کہ مستعفی کے آخر میں ’ی‘ اور مستثنیٰ کے آخر میں ’یٰ‘ موجود ہے، لیکن یہ قیاس غلط ہے کیوں کہ اصل لفظ اور اس کا درست املا استعفاء اور استثناء ہے اور یہ عربی کے لحاظ سے مصدر ہیں۔ جہاں تک آخر میں ’ی‘ یا ’یٰ‘ لکھنے کا معاملہ ہے تو مستعفی (لفظی معنی: معافی چاہنے والا) فاعل ہے اور مُستثنیٰ (لفظی معنی: وہ جسے عام قاعدے یا اصول سے خارج کیا گیا ہو) مفعول ہے اور یہ املا بھی کسی اصول کے تحت ہے۔ جس طرح استدعاء (مانگنا، درخواست کرنا) کا فاعل مُستدعِی (جو درخواست کرے) ہوگا اور استغناء (بے نیاز ہونا) کا فاعل مُستغنِی (بے نیاز) ہوگا، اسی طرح استعفاء (معافی چاہنا) کا فاعل مُستعفِی (معافی کا طلب گار) ہوگا[3] اور ان کے آخری حرف سے پہلے والے حرف پر زیر (کسرہ) چاہیے۔ البتہ مُستثنیٰ کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ ہے تو استثناء سے جو اسی وزن یعنی استفعال پر ہے، لیکن مُستثنیٰ کا لفظ فاعل نہیں بلکہ مفعول ہے اور اسی لیے اس کا آخری حرف الف مقصورہ (یٰ) ہے اور اس کے آخری حرف (یٰ) سے پہلے والے حرف پر (یعنی نون پر) زیر (کسرہ) نہیں بلکہ زبر (فتحہ) ہے۔ استثنا کے لفظی معنی ہیں: عام قاعدے سے نکال دینا، الگ کر دینا[4] اور مُستثنیٰ کے معنی ہوئے جسے عام قاعدے سے نکال دیا گیا ہو، الگ کیا گیا۔ جس طرح استفعال کے وزن پر لفظ ’استعمال‘ ہے اور اس کا مفعول ’مُستعمَل‘ (پہلے میم پر پیش اور دوسرے میم پر زبر) ہے، اسی طرح استحسان سے مفعول مستحسَن ہے (میم پر پیش، سین پر زبر) ہے اور استغراق سے مُستغرَق (میم پر پیش، رے پر زبر) ہے اسی طرح استثنا سے مستثنیٰ (میم پر پیش، نون پر زبر) ہے۔ گویا فاعل کے آخری حرف سے پہلے والے حرف کے نیچے زیر (کسرہ) ہوگا (جیسے مستعفی) اور مفعول کے آخری حرف سے پہلے والے حرف پر زبر (فتحہ) ہوگا، جیسے مستثنیٰ۔ استثنا اور استعفا عربی کے لحاظ سے مصدر ہیں، فاعل یا مفعول نہیں ہیں، لہٰذا ان کے آخر میں ’ی‘ یا ’یٰ‘ نہیں لکھنا چاہیے۔ عربی میں استفعال کے وزن پر بننے والے فاعل اور مفعول اور ان کے اعراب کی کچھ مثالیں یوں ہیں[5]:

بابِ استفعال سے مصدر	فاعل
اِستِدعاء	مُستَدعِی
اِستِغناء	مُستَغنِی
اِستِشراق	مُستَشرِق
اِستِعفاء	مُستَعفِی
اِستِقبال	مُستَقبِل

یہ فاعل کی بات تھی لیکن مفعول کا معاملہ مختلف ہے:

بابِ استفعال سے مصدر	مفعول
اِستِحسان	مُستَحسَن
اِستِحکام	مُستَحکَم
اِستِغراق	مُستَغرَق
اِستِثناء	مُستَثنیٰ
اِستِعمال	مُستَعمَل

دیکھیے استعفا اور استثنا اور اسی قبیل کے دوسرے الفاظ کے املا کے بارے میں عبدالستار صدیقی کیا کہتے ہیں:

”وہ اسم جو افتعال یا استفعال کے وزن پر مصدر ہیں [یعنی عربی میں] اور ان کے آخر میں الف کے بعد ایک ہمزہ ہے، یہ ہمزہ فارسی اور اردو میں گر جاتا ہے اور خالی الف رہ جاتا ہے، جیسے: اِبتدا، اِجتبا، اِرتضا، اِرتقا، اِصطفا، اِقتدا، اِکتفا، اِلتوا، اِمتلا، اِنتہا [یہ سب افتعال کے وزن پر ہیں، آخر میں ہمزہ کے ساتھ]، اِستثنا، اِستدعا، اِستسقا، اِستعفا، اِستفتا، اِستقرا، اِستقصا، اِستنجا، اِستیلا، [یہ سب استفعال کے وزن پر ہیں، یعنی ہمزہ کے ساتھ]“[6]۔

اِجتِباء (پسند کرنا، چُننا)، اِرتِضاء (منتخب کرنا، پسند کرنا) اور اِصطِفاء (چُننا، انتخاب کرنا) وغیرہ ’اِفتِعال‘ کے وزن پر ہیں اور ان سے بنائے گئے الفاظ جو مفعول ہیں، جیسے مجتبیٰ (پسندیدہ، چُنا ہوا)، مُرتضیٰ (منتخب کیا ہوا، پسندیدہ) اور مصطفیٰ (چُنا ہوا، منتخب)، ان کے آخر میں بھی لفظ ’مستثنیٰ‘ کی طرح الف مقصورہ (یٰ) لکھنا چاہیے (یعنی جیسے یہاں لکھا گیا ہے) اور ان میں میم پر پیش اور ’ت‘/’ط‘ پر زبر ہوگا۔ یہی عربی کا قاعدہ ہے اور یہ عربی ہی کے الفاظ ہیں۔ ان کے آخر میں الف لکھنا یعنی مجتبا یا مصطفا عربی کی رو سے غلط املا ہے، اور اردو کی رو سے بھی۔

اس پر یاد آیا کہ رشید حسن خاں صاحب زور دے کر کہتے تھے کہ چوں کہ فلاں فلاں فارسی لفظ کا فارسی میں املا یہ ہے، اس لیے یہ اردو میں اسی طرح لکھا جائے گا، یعنی فارسی کی طرح۔ البتہ وہ عربی الفاظ کے املا کو تبدیل کرنے پر زور دیتے تھے، اور الف مقصورہ (یٰ) کے بجائے الف لکھنے کی تاکید کرتے تھے، مثلاً لکھا کہ عیسیٰ، موسیٰ، یحییٰ، مرتضیٰ، مجتبیٰ، مصطفیٰ کو ”کسی تکلف کے بغیر“ عیسا، موسا، یحیا، مرتضا، مجتبا اور مصطفا لکھا جا سکتا ہے[7]۔ یعنی فارسی الفاظ کو تو بلا چون و چرا، جوں کا توں لکھنا ہے کیوں کہ فارسی میں یہی املا ہے (گویا فارسی املا کوئی آسمانی صحیفہ ہے) لیکن عربی الفاظ پر ’بغیر کسی تکلف کے‘ ہاتھ صاف کیا جا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیوں؟

قارئین! اب ’ہماری زبان‘ کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

یہ درست ہے کہ اردو والوں نے جو تصرفات عربی و فارسی الفاظ میں کر دیے ہیں وہ اردو کی حد تک جائز ہیں لیکن ان کے لیے قبولِ عام کی شرط ہے اور دنیا کی ہر زبان میں دوسری زبانوں سے آئے الفاظ کے تلفظ و املا یا مفہوم میں تصرف کیا جاتا ہے، خواہ دانستہ یا نادانستہ لہٰذا، بقول اختر علی تلہری کے، یہ اردو کا جائز اور فطری حق ہے کہ دوسری زبانوں کے الفاظ میں تصرف کر کے اسے استعمال کرے لہٰذا جن الفاظ میں اردو والوں نے تصرف کرلیا ہے انھیں ''ٹکسالی ماننا ناگزیر ہے''[۸]۔ خود فارسی میں بھی یہ اصول مانا گیا ہے کہ عربی کے جن الفاظ میں فارسی والوں نے تصرف کرلیا ہے انھیں فارسی مان کر فارسی الفاظ کی طرح استعمال کرنا چاہیے[۹]۔ لیکن رشید حسن خاں جن الفاظ کا نیا املا اردو میں رائج کرنے پر بضد تھے، بالخصوص عیسا، موسا اور مصطفا اور ان جیسے دیگر الفاظ، ان کو اردو میں کبھی اس طرح نہیں لکھا گیا، ماننا یا رائج ہونا تو دور کی بات ہے۔

کیا لفظ 'اَقْدَس' غلط ہے؟

یہ حقیقت ہے کہ عربی میں اَقدَس (الف مفتوح، قاف ساکن، الف مفتوح) کوئی لفظ نہیں ہے۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ یہ اردو میں خوب استعمال ہوتا ہے اور دھڑلّے سے ہوتا ہے۔ عام طالبِ علم اسے عربی کا لفظ سمجھتا ہے لیکن یہ ان ''عربی'' الفاظ و مرکبات میں سے ہے جن کا عربی میں کوئی وجود نہیں ہے اور جو اردو والوں نے گھڑ لیے ہیں۔

سیّد رضوان علی ندوی صاحب نے شان الحق حقی کی فرہنگِ تلفظ پر جو اعتراضات کیے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اس میں بعض ایسے ''عربی'' الفاظ شامل ہیں جن کا عربی میں کوئی وجود نہیں ہے۔ مثلاً 'اقدس' کے اندراج میں حقی صاحب نے فرہنگِ تلفظ میں لکھا ہے:

> ''صف [یعنی صفت]، نہایت متبرک، پاکیزہ (واحد، عربی قادس)''۔

ندوی صاحب اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''عربی زبان میں قادس کا لفظ اس معنی میں مستعمل نہیں، قدس کا استعمال بھی نہیں۔ اس لفظ سے صرف ثلاثی مجرد کے دو فعل تقدّس و قدّس مستعمل ہیں جن سے مقدّس، قدوس مشتق ہیں۔ اقدس اردو والوں کا تصرفِ بے جا ہے۔ اسی لیے فرہنگِ آصفیہ میں نہ اقدس ہے اور نہ قادس۔ خود مصنف نے بھی حرفِ ق میں قادس نہیں دیا۔ ویسے قادس کے معنی عربی میں کشتی اور بیت الحرام کے ہیں''[۱۰]۔

لیکن جو بات محترم رضوان صاحب (مرحوم) نے نظر انداز کر دی وہ یہ ہے کہ اردو میں ایسے بیسیوں بلکہ شاید سیکڑوں ''عربی'' الفاظ موجود ہیں جن کا عربی میں کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ اردو والوں نے بنا لیے ہیں، یہ طویل عرصے سے استعمال ہو رہے ہیں اور اردو کے بعض ایسے اہلِ قلم نے بھی انھیں استعمال کیا ہے جو عربی بہت اچھی جانتے تھے، کیا ان سب الفاظ کو بھی اردو لغت سے نکال باہر کر دیا جائے؟ آیئے دیکھتے ہیں کہ اردو لغت بورڈ کی اردو لغت (جو بائیس جلدوں پر محیط ہے اور جس میں کم و بیش ہر لفظ کے استعمال کی سند بھی اردو متون سے دی گئی ہے) 'اقدس' کے بارے میں یہ کیا کہتی ہے۔ بورڈ کی لغت میں نہ صرف 'اقدس' درج ہے بلکہ ولی دکنی، بہادر شاہ ظفر وغیرہ کی اسناد بھی موجود ہیں[۱۱]۔ گویا یہ اردو کی حد تک رائج ہے اور خاصے عرصے سے رائج ہے لہٰذا بالکل درست، روا اور جائز ہے۔ تصرف جب عام ہو جائے اور پڑھے لکھے اہلِ قلم اسے دانستہ اور یہ سمجھتے ہوئے استعمال کریں کہ یہ تصرف ہے تو وہ تصرفِ بے جا نہیں رہتا بلکہ بجا ہو جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بورڈ نے اقدس کو جو قادس کی تفصیل بتایا ہے وہ صرف اردو کی حد تک ہے اور عربی میں ایسا نہیں ہے، بورڈ کو چاہیے کہ اگلے ایڈیشن میں اس کی وضاحت کر دے کہ یہ ''اردو میں خلافِ قاعدہ'' بنا لیا گیا ہے جس طرح بورڈ نے بعض دیگر اندراجات کے ساتھ اس طرح کی وضاحت کی ہے۔

نَشاَۃُ الثّانِیہ

پچھلی کسی قسط میں 'نشو و نَما' کے سلسلے میں نشأۃ کا ذکر ہوا۔ اسی سے ایک ترکیب ہے نشأۃ الثانیہ، جو اردو میں بھی مستعمل ہے (عربی میں تو اس ترکیب میں نشأۃ سے پہلے ''ال'' بھی لگے گا یعنی عربی میں النّشأۃ الثانیہ ہوگا)۔ یہاں پہلے اس کے تلفظ کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کیوں کہ بعض لوگ اس کا تلفظ نشاط کی طرح کرتے ہیں۔ نشاط خوشی یا سرور کے معنی میں ہے اور نشیط کی جمع ہے اور اردو والے اس لفظ کا تلفظ نَشاط (نون مفتوح) اور نِشاط (نون مکسور) دونوں طرح کرتے ہیں۔ لیکن اس کا تلفظ نشاط کی طرح کرنا درست نہیں ہے اور 'نشأۃ' کا درست تلفظ 'نَش۔اَت' ہے[۱۲]۔

اس ترکیب نشأۃ الثانیہ میں پہلے نون پر زبر ہے اور شین ساکن ہے۔ پھر الف/ ہمزہ پر زبر ہے۔ ۃ پر پیش پڑھا جائے گا اور الف اور لام غیر ملفوظی ہوں گے یعنی ان کا تلفظ نہیں کیا جائے گا کیوں کہ ان کے بعد 'ث' ہے جو شمسی حرف ہے اور 'ث' پر تشدید لگے گی۔ دوسرے نون کے نیچے زیر ہے۔ 'ی' پر زبر پڑھنا ہے اور آخر میں ہائے مختفی ہے۔ لیجیے صاحب اس ترکیب کا تلفظ معلوم ہو گیا جو یہ ہے:

نَش۔اَتُث۔ثا۔نِ۔یَ۔

عبدالرشید نعمانی صاحب 'لغاتُ القرآن' میں لکھتے ہیں: ''اَلنَّشْاَۃَ (اسم) پیدائش (اور مصدر) پیدا ہونا''[۱۳]۔ نشأۃ (تلفظ: نَش۔اَت) کا ایک مطلب پیدائش بھی ہے۔ نشأۃُ الاُولیٰ کا مطلب ہے پہلی پیدائش یعنی جب انسان پہلی بار دنیا میں بھیجا جاتا ہے تو وہ اس کی نشأۃُ الاُولیٰ ہوتی ہے اور جب انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو وہ اس کی نشأۃُ الثانیہ (یعنی دوسری پیدائش) ہوگی۔ اس دوسری پیدائش کو 'نشأۃُ الاُخریٰ' بھی کہا جاتا ہے۔ عربی کے لحاظ سے النشأۃ الاولیٰ (پہلی پیدائش) اور النشأۃ الثانیہ (دوسری پیدائش) ہونا چاہیے یعنی 'ال' کے ساتھ، مگر اردو میں اس ترکیب نشأۃ الثانیہ کو 'ال' کے بغیر اور اضافت کے زیر کے ساتھ بھی لکھتے ہیں یعنی نشأۃِ ثانیہ اور نشأتِ ثانیہ، یعنی تائے مدوّرہ (گول ۃ) کے بجائے تائے دراز (لمبی ت) لکھتے ہیں (دونوں کا تلفظ: نَش۔اَتے۔ثا۔نِ۔یا)۔

اردو میں نشأۃ الثانیہ یا نشأتِ ثانیہ (یا نشأۃ ثانیہ) کو اصطلاحاً یورپ کی تاریخ کے ایک خاص دور کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے جسے انگریزی میں Renaissance کہتے ہیں۔ یہ دَور بالعموم پندرھویں اور سولھویں صدی عیسوی پر محیط بتایا جاتا ہے (کچھ کے نزدیک اس دَور کی مدت ذرا مختلف ہے)۔ اس دَور میں علمی، ذہنی اور صنعتی انقلاب برپا ہوا۔ گویا ان کے خیال میں انسان ذہنی طور پر دوبارہ پیدا ہوا۔

اردو میں نشأۃ کو نشات (نَش۔اَت) بھی لکھا جاتا ہے اور اس کا تثنیہ نشأتین (نش۔اَ۔تین) ہے، نشاتین کا مطلب ہے دونوں جہاں، کونَین، دنیا و عاقبت[۱۴]۔

حواشی:

۱۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد اول (کراچی: اردو لغت بورڈ، ۱۹۷۷ء)؛ نیز قیوم ملک، اردو میں عربی الفاظ کا تلفظ (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، ۱۹۷۹ء)، ص ۳۲ (اشاعتِ اول)۔

۲۔ ابوالخیر صدیقی، اصلاحِ تلفظ (سیال کوٹ: مکتبۂ شرقیہ، ۱۹۴۱ء)، ص ۱۳۱۔

۳۔ قیوم ملک، محولۂ بالا، ص ۶۹۔

۴۔ ایضاً، ص ۱۳۱۔

۵۔ ایضاً، ص ۶۹۔

۶۔ مقالاتِ صدیقی (مرتبہ مسلم صدیقی) (لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکیڈمی، ۱۹۸۳ء)، ص ۷۔

۷۔ اردو املا (دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ۱۹۹۸ء)، ص ۵۰-۵۱ (دوسرا ایڈیشن)

۸۔ مقالاتِ تلہری (لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، ۱۹۶۰ء)، ص ۳۷۔

۹۔ ایضاً۔

۱۰۔ فرہنگِ تلفظ: ایک تحقیقی و تنقیدی مطالعہ (مرتبہ رؤف پاریکھ) (کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۲۴ء، ص ۱۴۰)، (یہ کتاب اب انجمن ترقیِ اردو (ہند)، نئی دہلی نے بھی شائع کر دی ہے)۔

۱۱۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد اول (کراچی: اردو لغت بورڈ، ۱۹۷۷ء)۔

۱۲۔ فرہنگ تلفظ (مرتبہ شان الحق حقی) (اسلام آباد: ادارۂ فروغِ قومی زبان، ۲۰۲۲ء) (اشاعتِ نو)؛ نیز فرہنگِ عامرہ (مرتبہ محمد عبداللہ خویشگی) (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء)۔

۱۳۔ لغات القرآن، جلد ششم (مرتبہ محمد عبدالرشید نعمانی) (کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۷ء)، ص ۵۶۔

۱۴۔ فرہنگِ عامرہ، محولۂ بالا۔

ریٹائرڈ پروفیسر، شعبۂ اردو، جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ،
کراچی-75270 (پاکستان)
E-mail: drraufparekh@yahoo.com

اُردو زبان و ادب کا پہلا محقق و مدرس
جان بارتھ وِک گل کرسٹ
تالیف و ترجمہ
صدیق الرحمٰن قدوائی
قیمت: 250 روپے

اُردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر
رؤف پاریکھ
قیمت: 300 روپے

اردو ہندی ڈکشنری
انجمن ترقی اردو (ہند)
قیمت: 300 روپے

اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت: 500 روپے

قسط نمبر:2

مسائلِ لغت وقواعد اور رشید حسن خاں کے فکری ابعاد

ڈاکٹر ابراہیم افسر

رشید حسن خاں نے پروفیسر شیام لال کالرا عابد پیشاوری کے نام 15 دسمبر 1981 کو لکھے خط میں 'تاج اللغات' کے مصنف کی شناخت، فرہنگِ آصفیہ میں موجود لفظ 'پاؤنی' کے بارے میں تفصیلات درج کی ہیں۔ دراصل خاں صاحب کو مصطلحاتِ ٹھگی کے نسخے کی تلاش تھی جس کا ذکر پروفیسر موصوف کو لکھے دیگر خطوط میں کیا گیا ہے۔ اُنھی خطوط میں لغات و لفظوں کے املا پر بھی تبادلۂ خیال کیا گیا۔ خط کا اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''تاج اللغات کے مصنف کی شناخت اب ضروری نہیں رہی، 'پاؤنی' خود فرہنگ آصفیہ میں موجود ہے۔ میں نے ایک پرچے پر اُسے نوٹ بھی کر لیا تھا لیکن بھول گیا تھا۔ اب اچانک وہ پرچہ سامنے آ گیا۔ ظاہر ہے کہ اس میں جدید مولف نے آصفیہ ہی سے یہ اختلاف نقل کیا ہوگا۔ بہ ہر صورت قدیم سنہ موجود ہے، اس لیے جدید کی ضرورت نہیں رہی، آپ نے جو زحمت گوارا کی نقل مضامین میں، اُس کے لیے شکرگزار ہوں۔''[19]

رشید حسن خاں نے پروفیسر علی احمد فاطمی کے نام 7 جولائی 1989 کو لکھے خط میں یہ اطلاع دی کہ احمد آباد میں ودیا پیٹھ میں بیٹھ کر گجراتی لغت کے اُردو حصے پر نظرِ ثانی کر رہے ہیں۔ اُردو ساہتیہ اکادمی، گاندھی نگر سے شائع اُردو گجراتی لغت کے پیش لفظ میں رشید حسن خاں کا خصوصی شکریہ ادا کیا گیا ہے۔ اس لغت کے حوالے سے اقبال مسعود خاں کے ساتھ ایک انٹرویو Urdu Should unite India نام سے 3 اپریل 1996 کو The Times of India احمد آباد اڈیشن میں شائع ہوا۔ یہ مکمل انٹرویو راقم کی مرتبہ کتاب 'رشید حسن خاں کے انٹرویوز' (اضافہ شدہ اڈیشن) اشاعت 2025 صفحہ 135 تا 137 میں شامل ہے۔

گیان چند جین کے نام جو خطوط خاں صاحب نے لکھے اُن میں املا، زبان وقواعد کے متعلق بہت سے اہم نکات وامور پر تبادلۂ خیال کیا گیا ہے۔ جین صاحب کے نام 29 ستمبر 1986 کو لکھے خط میں رشید صاحب نے لفظ 'چاہیتا' بہ معنی 'چاہتا' اور 'سُپنا' بہ معنی 'سپنا' پر بحث کی ہے۔ موصوف کے اس خط کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے پروفیسر مسعود حسین خاں سے بھی لفظ 'چاہیتا' پر تبادلۂ خیال کیا تھا۔ ڈاکٹر ٹی. آر. رینا نے 'رشید حسن خاں کے خطوط (جلد چہارم)' اشاعت 2026 میں رشید صاحب کے نام مسعود حسن خاں کے لکھے گئے دو خطوط کو شامل کیا ہے جس میں مذکورہ لفظ 'چاہیتا' کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ پہلے گیان چند جین کے نام لکھے خط کا اقتباس ملاحظہ کیجیے جس میں لفظ 'چاہیتا' اور 'سُپنا' پر ادبی ولسانی مباحث موجود ہیں:

''میں نے مسعود صاحب کو بھی خط لکھا تھا، اُن کا کہنا ہے کہ پوری یو پی کی بولیوں میں اُنھوں نے 'چاہیتا' بہ معنی 'چاہتا' سُنا ہے، مگر میرا من کو پوری یو پی کی بولیوں سے واقفیت ہوگی! یہ ذرا دور کی بات معلوم ہوتی ہے۔ نور اللغات میں 'چاہتا' ہے، مگر یہ 'چہیتا' کی قدیم صورت ہے، یعنی اسمِ صفت ہے۔ مہذب اللغات میں مولف نے لکھا ہے کہ 'چاہیتا' اب متروک ہے اور 'چہیتا' مستعمل ہے: اِس سے بات صاف ہو جاتی ہے۔ پلیٹس نے بھی اسے بہ طور اسم درج لُغت کی ہے، فعل کے طور پر نہیں... ایک اور لفظ بحث طلب ہے، ذرا اِس پر بھی غور کر لیجیے۔ یہ لفظ ہے 'سپنا'، آصفیہ میں 'سُپنا' ہے اور نور اللغات میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ صحیح بہ ضمِ اوّل ہے۔ فیلن نے بھی 'سُپنا' لکھا ہے اور 'سپنا' کو گنوارو تلفظ بتایا ہے۔ پلیٹس نے البتہ دونوں تلفظ لکھے ہیں کسی تفریق کے بغیر اور دونوں کے دو مادّے سنسکرت کے لکھے ہیں ایک بہ ضمِ اوّل اور بہ فتحِ اوّل۔''[20]

رشید حسن خاں نے مرزا خلیل احمد بیگ کے نام 26 اپریل 1989 کو لکھے خط میں اس بات کی وضاحت کی کہ پروفیسر مسعود حسین خاں نے غالب اکیڈمی، نئی دہلی میں لُغت کے مسائل پر جو خطبہ دیا تھا اس میں انھوں نے کہا کہ سب سے پہلے مولوی عبدالحق نے ہ اور ھ کا امتیاز متعین کیا تھا۔ رشید صاحب نے مسعود صاحب کے خیالات سے اختلاف ظاہر کرتے ہوئے خط لکھا۔ انھوں نے اس خط میں لفظ 'چاہیتا' پر مرزا خلیل احمد بیگ سے مشورہ کیا ہے۔ حالاں کہ وہ اس بارے میں پروفیسر مسعود حسین خاں کو خط لکھ چکے ہیں۔ ان تمام باتوں کو انھوں نے مرزا خلیل احمد بیگ کو لکھے خط میں واضح کیا ہے۔ خط ملاحظہ کیجیے:

''مسعود صاحب نے ایک خطبہ دیا تھا مسائلِ لغت پر، اُس میں یہ کہا تھا کہ ہ اور ھ کا امتیاز سب سے پہلے مولوی عبدالحق نے متعین کیا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ ب اور بھ یا ت اور تھ (وغیرہ) کو الگ الگ حرف ماننا اُنھی سے شروع ہوا ہے۔ میں نے مسعود صاحب کو خط لکھا کہ یہ درست نہیں، مرزا جان طپش دہلوی نے اپنے لُغت شمس البیان میں اس امتیاز کو ملحوظ رکھا ہے اور میرے علم میں یہ اولین لغت ہے... باغ و بہار میں ایک جگہ فعل 'چاہیتا' آیا ہے، یہ نئی شکل تھی اُس وقت تک میرے لیے، میں نے اِس سلسلے میں کئی حضرات کو لکھا تھا، مسعود صاحب کو بھی ایک خط لکھا تھا۔ یہ اُسی خط کا جواب ہے۔ (میں اس جواب سے مطمئن نہیں ہوا اور بعد کو معلوم ہوا کہ صورتِ حال وہ نہیں ہے جس کا ذکر مسعود صاحب نے اِس خط میں کیا ہے)۔''[21]

ادب کا ہر اسکالر جانتا ہے کہ پروفیسر مسعود حسین خاں نے ادبی لسانیات کو اپنی تحقیق کا اوڑھنا اور بچھونا بنایا ہوا تھا۔ اسی مناسبت سے رشید صاحب اور مسعود صاحب کے درمیان لسانی موضوع پر خط وکتابت ہوتی تھی۔ حالاں کہ تا دمِ تحریر دونوں کے زیادہ خطوط منظرِ عام پر نہیں آئے ہیں سوائے دو خطوط کے۔ بہ قول ڈاکٹر ٹی.آر. رینا پروفیسر مسعود حسین خاں نے غالب اکیڈمی، نئی دہلی میں لُغت کے مسائل پر ایک خطبہ دیا تھا جس میں یہ کہا تھا کہ ہ اور ھ کا امتیاز سب سے پہلے مولوی عبدالحق نے متعین کیا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ ب اور بھ یا ت اور تھ وغیرہ کو الگ الگ حروف ماننا انھیں سے شروع ہوا ہے۔ رشید حسن خاں نے مسعود صاحب کو خط لکھا کہ یہ درست نہیں۔ رشید صاحب نے اپنے خط میں اس بات کی وضاحت کی کہ سب سے پہلے مرزا جان طپش دہلوی نے اپنے لُغت 'شمس البیان' میں مذکورہ بالا لفظوں کا استعمال کیا۔ یعنی یہ اولین لُغت ہے جس میں پہلے ب کی فصل ہے اور پھر بھ کی۔ ب مع ہ کے الفاظ ب کی فصل میں۔ 10 جنوری 1984 کو پروفیسر مسعود حسین خاں نے رشید حسن خاں کے نام لکھے خط میں حروفِ مخلوط بھ، پھ پر مفصل گفتگو کرتے ہوئے لکھا:

''چند روز قبل عنایت نامہ ہم دست ہوا۔ جو حروفِ مخلوط (بھ، پھ وغیرہ) کے سلسلے میں نئی معلومات کا شکریہ۔ میری نظر میں مرزا جان طپش کی یہ جدّت طرازی نہیں تھی۔ میں اس معلومات کو مناسب جگہ پر کام میں لاؤں گا، ہر چند اس سے میرے نفسِ مضمون پر اثر نہیں پڑتا۔ اِس لیے کہ میرا خطبہ یک لسانی لغت (اُردو- اُردو تک محدود تھا۔ اس ضمن میں یہ مولوی عبدالحق ہی کی جدّت قرار پائے گی جنھوں نے لُغتِ کبیر مرتب کرنے سے بھی قبل اپنی 'اُردو قواعد' میں بھی حروفِ ہجا سے بحث کرتے ہوئے اس مسئلے کو اٹھایا تھا، لیکن یہ دلچسپ بات ہے کہ ہمارے موجودہ ماہرین اس بارے میں مرزا جان طپش سے بھی آگے نہیں سوچتے! لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ خطبے کے دن تھے کہاں؟ مجھے تو آپ کہیں بھی نظر نہیں آئے۔ شاید مجموعہ ہائے مخلوط بن کر خلط ملط ہو گئے تھے۔

ہاں، فرصت سے یہ صراحت بھی کیجیے کہ بھ، پھ، دھ وغیرہ سے مرکب الفاظ کو ہائے مختفی کے الفاظ کے ساتھ اس تصنیف میں گڈ مڈ تو نہیں کر دیا گیا ہے، جیسا کہ اُردو کے دوسرے لُغت نگاروں نے کیا ہے؟ ایسی صورت میں اصول ایک رہا ہوگا اور عمل اِس کے برعکس۔ مثلاً 'گھر' کو 'گہر' سے اور 'دھری' کو 'دَہری' سے علاحدہ ابواب میں رکھا گیا ہے یا یک جا۔

آپ نے لکھا ہے کہ مرزا جان طپش کی یہ تالیف شائع بھی ہو چکی ہے۔ مولانا آزاد لائبریری (علی گڑھ) میں اگر اِس کا کوئی نسخہ موجود ہوا تو دیکھنے کی کوشش کروں گا۔ بہر حال اِس بیش قیمت معلومات کا ایک بار پھر شکریہ۔''[22]

پروفیسر مسعود حسین خاں نے 25 ستمبر 1986 کو رشید صاحب کے نام خط لکھا جس میں انھوں نے لفظ 'چاہیتا'، 'چاہتا' پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اس خط میں پروفیسر موصوف نے اُردو کے اہم لغات میں شامل مذکورہ لفظ کی مدد سے رشید صاحب کے اشکال کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ خط کا اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''کل اچانک آپ کا نوازش نامہ موصول ہوا۔ 'چاہیتا' کے بارے میں آپ نے جو استفسار کیا ہے وہ میری سمجھ میں یوں آیا ہے:

پلیٹس اور نور اللغات کے مولف دونوں نے یہ لفظ دیا ہے۔ پلیٹس نے اِس کا ہندی املا بھی دیا ہے (pfgrk) اور صاحبِ نور نے اسے بہ یائے معروف (بہ حوالۂ مہذب اللغات) صفت لکھا ہے (اس وقت نور کی جلد نہیں مل سکی)۔ صاحب مہذّب نے اس کی اصلاح بھی کی ہے کہ لکھنؤ میں چہیتا (=+لاڈلا) بولتے ہیں۔ پلیٹس نے اسے صفت اور اسمِ مذکر دونوں بتایا ہے۔ بہ ہر حال 'فعل' کا ذکر دونوں نہیں کرتے۔

میرا ساتھ کوئی لغت نہیں دے رہی ہے، لیکن اُتر پردیش کی بولیوں کا مجھے جو علم ہے اُس کی بنا پر میں فعل 'چاہتا' کا پوربی تلفظ چاہیتا (pkfgrk) جانتا ہوں۔ طویل مصوتے کی یہ وبا بہار تک پھیلی ہوئی ہے۔ میرامن کا قیام چوں کہ کلکتے میں رہا تھا، اِس لیے انھیں بھی اِس تلفظ کی چھوت لگ گئی ہوگی، بعینہ جس طرح سے آپ نے 'چھپنا' مقرر کیا ہے۔ مغربی یو پی کی بولیوں کی رو سے 'چاہنا' اور ...

(بقیہ صفحہ 7 پر)

اردو دُنیا

لنگویج یونیورسٹی کے گیارہویں جلسۂ تقسیمِ اسناد میں شعبۂ اُردو کے طلبہ کی شاندار کامیابی

لکھنؤ (9 جولائی)۔ خواجہ معین الدین چشتی لنگویج یونیورسٹی کے منعقدہ گیارہویں جلسۂ تقسیمِ اسناد میں شعبۂ اردو کے دو ممتاز طلبہ نے اپنی غیر معمولی علمی کارکردگی کے باعث نمایاں اعزازات حاصل کیے۔ بی.اے اردو کے طالبِ علم ریحان عباس رضوی نے بی.اے اردو میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کر کے گولڈ میڈل اپنے نام کیا، جب کہ محمد خالد نے ایم.اے اردو میں اول پوزیشن اور سب سے زیادہ نمبر حاصل کرتے ہوئے گولڈ میڈل کے ساتھ پروفیسر ابنِ کنول میموریل ایوارڈ بھی حاصل کیا۔ یہ دونوں اعزازات انھیں اپنے اپنے کورس میں اعلا ترین تعلیمی کارکردگی اور نمایاں نمبروں کی بنیاد پر عطا کیے گئے۔ یہ اعزازات انھیں اتر پردیش کی گورنر اور یونیورسٹی کی چانسلر آنندی بین پٹیل کے دستِ مبارک سے دیے گئے۔ محمد خالد کی یہ کامیابی ان کے مسلسل شاندار تعلیمی سفر کا تسلسل ہے۔ اس سے قبل بھی انھوں نے بی.اے اردو میں اپنے شعبے میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کر کے گولڈ میڈل اپنے نام کیا تھا جب کہ اب ایم.اے اردو میں بھی یہی اعزاز حاصل کر کے انھوں نے مسلسل دوسری مرتبہ اپنی تعلیمی برتری کا ثبوت دیا ہے۔ اس موقعے پر شعبۂ اردو کے صدر پروفیسر ثوبان سعید نے ریحان عباس رضوی اور محمد خالد کو ان کی شاندار کامیابی پر دلی مبارک باد پیش کرتے ہوئے دلی مسرت کا اظہار کیا۔ انھوں نے کہا کہ ان دونوں ہونہار طلبہ نے اپنی اَنتھک محنت، غیر متزلزل عزم، مسلسل لگن اور غیر معمولی علمی صلاحیتوں کی بدولت یہ قابلِ فخر اعزازات حاصل کیے ہیں۔ ان کی یہ کامیابی صرف ان کی ذاتی محنت اور صلاحیت کا اعتراف نہیں بلکہ شعبۂ اردو کی علمی روایت، معیاری تدریس اور تعلیمی ماحول کی کامیابی کا بھی روشن مظہر ہے۔ (سیاسی تقدیر۔ دہلی)

سولاپور کی سرزمین اردو زبان وادب کی ترقی کے لیے بہت زرخیز ہے: حسین اختر

سولاپور۔ ایس.ایس.اے. آرٹس اینڈ کامرس کالج، سولاپور اور اردو لٹریری فورم سولاپور کے زیرِ اہتمام کالج کے آڈیٹوریم میں ’ادبی کہکشاں، مشاعرہ اور اعزازی تقریب‘ نہایت شاندار انداز میں منعقد ہوئی، جس میں شہر کی ممتاز علمی، ادبی اور تعلیمی شخصیات نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ تقریب کا آغاز عرشیہ شیخ کی خوش الحان تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد استقبالیہ کلمات پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر آصف اقبال نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور تقریب کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ایسے ادبی و تعلیمی پروگرام معاشرے میں علم، ادب اور تحقیق کے فروغ میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس موقعے پر پروفیسر ڈاکٹر غوث احمد شیخ نے مہمانِ خصوصی مہاراشٹر اردو ساہتیہ اکیڈمی کے چیئرمین حسین اختر کا تعارف پیش کیا، جب کہ کالج کے پرنسپل ڈاکٹر اقبال تامبولی نے مہمانِ خصوصی کی خدمت میں شال، گلدستہ اور یادگاری مومنٹو پیش کر کے ان کا پُرتپاک استقبال کیا۔ اپنے صدارتی خطاب میں مہمانِ خصوصی حسین اختر نے علم، تحقیق اور ادب کی اہمیت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ تعلیمی اداروں میں اس نوعیت کی تقریبات نئی نسل کو تحقیق، تخلیق اور مثبت فکر کی جانب راغب کرتی ہیں۔ شہر سولاپور کی سرزمین اردو زبان وادب کی ترقی کے لیے بہت زرخیز ہے۔ تقریب کے دوسرے مرحلے میں بزمِ غالب سولاپور کے صدر معروف شاعر بشیر پرواز کی صدارت میں ایک کامیاب اور باوقار مشاعرہ منعقد ہوا۔ مشاعرے میں میر افضل میر، عبدالشکور شعور، وجاہت عبدالستار، یوسف شیخ، شاداں پیتاپوری، ڈاکٹر آصف اقبال سمیت دیگر شعرائے کرام نے اپنا منتخب کلام پیش کر کے سامعین سے بھرپور داد وصول کی۔ اس موقعے پر سولاپور شہر کے مختلف شعبہ ہائے تعلیم سے وابستہ پی ایچ.ڈی کی ڈگری حاصل کرنے والے ممتاز خواتین وحضرات کی علمی خدمات کے اعتراف میں انھیں مہمانِ خصوصی حسین اختر کے ہاتھوں شاندار ٹرافیاں پیش کر کے اعزاز سے نوازا گیا۔ اعزاز پانے والوں میں ڈاکٹر اقبال دھوٹے گھر، ڈاکٹر نازیہ چنڈرگی، ڈاکٹر مسرور جہاں، ڈاکٹر ثمینہ سیّد، ڈاکٹر عبدالرافع نانديڑ، ڈاکٹر سمیہ باغبان، ڈاکٹر یاسمین شیخ، ڈاکٹر تسنیم، ڈاکٹر عائشہ پٹھان، ڈاکٹر سے.اے. بیجاپورے، ڈاکٹر احتشام نداف اور پروفیسر غوث احمد شیخ شامل تھے۔ آخر میں ڈاکٹر وڈو تسنیم نے تمام مہمانوں، شرکا اور منتظمین کا شکریہ ادا کیا۔

(آج کی آواز۔ اورنگ آباد)

’چنار بک فیسٹول کا تیسرا ایڈیشن‘ پریس کانفرنس

سری نگر/دہلی (پریس ریلیز، 17 جولائی)۔ نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا، قومی اردو کونسل اور ضلع انتظامیہ، سری نگر کے باہمی اشتراک سے 18 جولائی 2026 تا 26 جولائی 2026 ایس کے آئی سی سی، سری نگر میں منعقد ہونے والے چنار بک فیسٹیول کے تعلق سے ایک پریس کانفرنس کا انعقاد کیا گیا، اس پریس کانفرنس میں این بی ٹی کے ڈائرکٹر جناب یووراج ملک، قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شمس اقبال، ڈپٹی کمشنر سرینگر اکشے لابرو اور چنار بک فیسٹیول کے چیف کنوینز ڈاکٹر امت وانچو نے صحافیوں سے بات چیت کی اور چنار بک فیسٹیول 2026 کے حوالے سے اہم معلومات فراہم کیں۔

این بی ٹی کے ڈائرکٹر جناب یووراج ملک نے صحافیوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ چنار بک فیسٹیول اب ایک سالانہ کیلنڈر ایونٹ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے، جو مطالعے کے فروغ، ادبی مکالمے اور ثقافتی تبادلے کے لیے ایک مؤثر پلیٹ فارم ثابت ہو رہا ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ فیسٹیول میں مختلف زبانوں کی کتابیں نمائش کے لیے رکھی جائیں گی، جب کہ متعدد ادبی، ثقافتی اور فکری پروگرام بھی منعقد ہوں گے۔

قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شمس اقبال نے بتایا کہ چنار بک فیسٹول کے تیسرے ایڈیشن میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کے اردو پبلشر شریک ہو رہے ہیں۔ اسی طرح اس سال کتاب میلے کی ادبی و ثقافتی سرگرمیوں میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ایک شاندار مشاعرہ، شام صوفیانہ اور مظفر علی جیسی اہم شخصیات سے مذاکرے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

ڈپٹی کمشنر سرینگر اکشے لابرو نے شکارا ریلی کو جھنڈی دکھائی اور کہا کہ 18 سے 26 جولائی تک جاری رہنے والا یہ فیسٹیول عوام کے لیے مکمل طور پر مفت ہوگا اور اس میں داخلے کے لیے کسی ٹکٹ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ چنار بک فیسٹیول کے چیف کنوینز ڈاکٹر امت وانچو نے بھی صحافیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ فیسٹیول کی مختلف ادبی و ثقافتی تقاریب میں کالج و یونیورسٹی کے بچے بھی شریک ہوں گے۔

واضح رہے کہ چنار بک فیسٹیول کے تیسرے ایڈیشن میں ملک بھر سے تقریباً 200 ناشرین، 250 سے زائد بک اسٹالز اور 800 سے زیادہ ادیب، شاعر، فنکار، دانشور اور مفکرین کی شرکت متوقع ہے۔

انجمن ترقی اردو (ہند) جھارکھنڈ کی آن لائن اہم میٹنگ

انجمن کو مزید فعال بنانے کے لیے تجاویز پیش

انجمن ترقی اردو (ہند)، جھارکھنڈ کی ایک اہم آن لائن توسیعی میٹنگ بروز اتوار، 19 جولائی 2026، شام 7:00 بجے گوگل میٹ کے ذریعے منعقد ہوئی۔ میٹنگ کی صدارت ڈاکٹر یاسین انصاری نے فرمائی جب کہ نظامت کے فرائض ریاستی سکریٹری ایم.زیڈ.خان نے انجام دیے۔ میٹنگ میں ریاست کے مختلف اضلاع رانچی، رام گڑھ، جمشید پور، ہزاری باغ، دھنباد، گڑھوا، گوڈا، گریڈیہ، جامتارا، پلامو (ڈالٹن گنج)، لاتیہار، کوڈرما اور مدھوپور سے انجمن کے عہدیداران اور اراکین نے شرکت کی۔

ابتدا میں نظامت کے فرائض انجام دیتے ہوئے ایم.زیڈ. خان نے تمام شرکا کا خیر مقدم کیا اور اجلاس کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد ریاست کے تمام اضلاع کے نمائندوں اور ذمے داران نے اپنے اپنے علاقوں میں انجمن کی موجودہ سرگرمیوں، اردو زبان کی صورتِ حال، تنظیمی پیش رفت اور درپیش مسائل پر تفصیلی رپورٹ پیش کی۔ تمام شرکا نے نئے عزم اور حوصلے کے ساتھ تنظیمی سرگرمیوں کو مزید موثر بنانے کا اظہار کیا۔

اجلاس میں درج ذیل قراردادیں متفقہ طور پر منظور کی گئیں:

ریاستی محکمۂ تعلیم کے اسٹیٹ پبلک انفارمیشن آفیسر کے نام آر ٹی آئی درخواست داخل کی جائے، جس کے ذریعے ریاست کے تمام سرکاری اسکولوں میں اردو کی منظور شدہ اسامیوں، موجودہ تقرریوں اور گزشتہ برسوں سے خالی پڑی اسامیوں کی تفصیلات حاصل کی جائیں۔ ہر ضلع میں فعال اراکین پر مشتمل ٹیم تشکیل دے کر رکنیت سازی مہم کو مزید تیز کیا جائے اور سالانہ رکنیت کی تجدید کو یقینی بنایا جائے۔ ہر ضلع کی یونٹ ماہانہ اجلاس باقاعدگی سے منعقد کرے تاکہ تنظیمی سرگرمیوں میں تسلسل برقرار رہے۔ ریاستی کانفرنس سے قبل تمام اضلاع میں ضلع کانفرنسوں کا انعقاد مکمل کر لیا جائے۔ بوکارو ضلع میں انجمن کی سرگرمیاں غیر فعال ہونے کے سبب وہاں کی ضلع یونٹ عملاً مردہ ہو چکی ہے۔ اجلاس نے فیصلہ کیا کہ بوکارو یونٹ کو ازسرِ نو فعال بنانے کے لیے کمشنری انچارج مثبت پہل کریں تاکہ جلد از جلد وہاں کی تنظیمی سرگرمیوں کو ازسرِ نو بحال کیا جاسکے۔

اسی طرح پاکوڑ اور صاحب گنج میں نئی ضلع یونٹوں کی تشکیل کی ذمے داری سنتھال پرگنہ کے انچارج کو سونپی گئی۔ اجلاس میں طے پایا کہ وہ لوگ اگست 2026 سے اس کام کو اولین ترجیح دیتے ہوئے اپنے اضلاع میں تنظیمی ڈھانچہ قائم کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔

اجلاس کے دوران ریاستی سطح پر ایک عظیم الشان اردو کانفرنس منعقد کرنے کی تجویز پیش کی گئی، جسے تقریباً تمام شرکا نے متفقہ طور پر سراہا۔

صدرِ اجلاس ڈاکٹر یاسین انصاری نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے کہا کہ وزیرِ اعلا سے ملاقات سے قبل وزیر حفیظ الحسن اور وزیر عرفان انصاری سے ملاقات کی جائے، انھیں ریاست میں اردو کی موجودہ صورتِ حال اور اردو سے متعلق تمام مسائل سے آگاہ کیا جائے اور انھی کی وساطت سے وزیرِ اعلا سے مشترکہ ملاقات کا اہتمام کیا جائے تاکہ مطالبات موثر انداز میں پیش کیے جاسکیں۔

اس موقعے پر پروفیسر جمشید قمر نے اس امر پر تشویش ظاہر کی کہ انجمن کی جانب سے اردو کے فروغ کے لیے مسلسل کام ہو رہا ہے، لیکن ان سرگرمیوں کی مناسب تشہیر نہیں ہو پا رہی ہے۔ انھوں نے تجویز پیش کی کہ انجمن کی تمام سرگرمیوں، اجلاسوں اور تحریکوں کو باقاعدگی سے اخبارات، سوشل میڈیا اور دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعے عوام تک پہنچایا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ انجمن کی سرگرمیوں سے واقف ہوں اور اس تحریک کا حصہ بن سکیں۔

آخر میں صدرِ اجلاس ڈاکٹر یاسین انصاری نے تمام شرکا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے امید ظاہر کی کہ اجلاس میں منظور شدہ قراردادوں اور تجاویز پر عملی اقدامات کیے جائیں گے۔ دعا کے ساتھ اجلاس کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔

اردو ڈپلوما کورسز کی فیس میں 435 فیصد تک اضافہ

نئی دہلی (23 جون)۔ دہلی یونیورسٹی میں تعلیمی سال 2026-27 کے لیے مختلف کورسز کی فیس میں نمایاں اضافہ سامنے آیا ہے۔ یونیورسٹی کی جانب سے جاری کردہ نئے فیس اسٹرکچر کے مطابق اردو کے سرٹیفکٹ ڈپلوما اور ایڈوانس ڈپلوما کورسز سمیت کئی پروگراموں کی فیس میں غیر معمولی اضافہ کیا گیا ہے، بعض کورسز میں فیس گذشتہ برس کے مقابلے میں چار گنا سے بھی زیادہ بڑھ گئی ہے جس کے بعد اعلا تعلیم کے بڑھتے ہوئے اخراجات اور عام طلبہ کی رسائی پر سوالات اٹھنے لگے ہیں۔ فیس اسٹرکچر کے مطابق اردو کے سرٹیفکٹ، ڈپلوما اور ایڈوانس ڈپلوما کورسز کی فیس گذشتہ سال 1372 روپے تھی جسے بڑھا کر 7200 روپے کر دیا گیا ہے۔ اس طرح ان کورسز کی فیس میں 5828 روپے یعنی تقریباً 425 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ ایم اے اردو پروگرام کی فیس میں بھی مسلسل اضافہ درج کیا گیا ہے۔ تعلیمی سال 2024-25 میں ایم اے اردو کی کل فیس 8176 روپے تھی، جو 2025-26 میں بڑھ کر 9185 روپے ہوئی اور اب 2026-27 کے لیے 9785 روپے مقرر کی گئی ہے۔

فیس اسٹرکچر کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یونیورسٹی ڈیولپمنٹ فنڈ، یونیورسٹی فیسلٹیز اینڈ سروسز چارجز اور مختلف شعبوں کی سہولتوں کی فراہمی کے سبب اضافہ کیا گیا ہے جس کے نتیجے میں طلبہ پر مجموعی مالی بوجھ بڑھ گیا ہے۔ اگرچہ ٹیوشن فیس میں بڑی تبدیلی نہیں کی گئی، لیکن دیگر اضافوں نے مجموعی فیس کو نمایاں طور پر بڑھا دیا ہے۔ یونیورسٹی سے وابستہ ایک اہلکار نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ فیس میں اضافے کا اثر داخلہ عمل پر بھی پڑ رہا ہے۔ ان کے مطابق اس سال ایم اے اردو میں متعدد طلبہ نے داخلے کے لیے درخواستیں جمع کرائیں، تاہم بڑھتی ہوئی فیس کے باعث کئی امیدوار داخلہ مکمل نہیں کرا سکے یا انھوں نے داخلہ لینے سے گریز کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ فیس میں اضافے کی وجہ سے خاص طور پر متوسط اور کمزور معاشی پس منظر سے تعلق رکھنے والے طلبہ مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔

واضح رہے کہ ایڈوانس ڈپلوما ان اردو میں داخلہ لینے والوں کی بڑی تعداد ایسے افراد پر مشتمل ہوتی ہے جن کا بنیادی تعلق اردو شعبے سے نہیں ہوتا۔ ان میں رٹائرڈ افراد، اردو زبان سے محبت رکھنے والے لوگ، شاعری سیکھنے کے خواہش منداور اردو رسمِ خط سے واقفیت حاصل کرنے والے افراد شامل ہوتے ہیں۔ بعض ماہرین نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ اگر فیس میں اس نوعیت کا اضافہ برقرار رہا اور داخلوں کی تعداد کم ہوتی گئی تو مستقبل میں ایسے کورسز کے وجود پر بھی سوالات کھڑے ہو سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں شعبۂ اردو کے صدر پروفیسر ابوبکر عباد نے نمائندہ 'انقلاب' سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اس مرتبہ صرف اردو ہی نہیں بلکہ دہلی یونیورسٹی کے دیگر کئی کورسز کی فیسوں میں بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ شعبہ جاتی کونسل (ڈپارٹمنٹ کونسل) کی میٹنگ میں یہ معاملہ زیرِ بحث آیا تھا اور اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ جلد اس سلسلے میں شعبے کی جانب سے یونیورسٹی انتظامیہ کو ایک خط ارسال کیا جائے گا۔ پروفیسر ابوبکر عباد نے واضح کیا کہ فیسوں میں اضافہ کرنے کا اختیار شعبے کے پاس نہیں ہوتا۔ فیس سے متعلق فیصلے دہلی یونیورسٹی انتظامیہ کی سطح پر کیے جاتے ہیں اور شعبہ اس معاملے میں پالیسی ساز ادارہ نہیں ہے۔ تاہم انھوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ فیس میں اضافے کے معاملے پر شعبے میں تشویش پائی جاتی ہے اور اس حوالے سے متعلقہ حکام کو آگاہ کیا جائے گا۔ (انقلاب۔ دہلی)

غالب انسٹی ٹیوٹ میں غالب توسیعی خطبے کا انعقاد

نئی دہلی (پریس ریلیز)۔ آج ساری دنیا میں عالمی ادب کا تصور بہت تیزی سے پروان چڑھ رہا ہے۔ عالمی ادب کس کو کہا جائے اس کے معیار اور پیمانے کیا ہونے چاہییں اور اس کے انتخاب جیسے اہم سوالات اور اس سمت میں اقدامات کی طرف ساری دنیا متوجہ ہو رہی ہے۔ اس سلسلے میں مغرب میں ایک کتاب بھی مرتب ہوئی ہے جس میں اردو کی نمائندگی کے لیے صرف غالبؔ کو منتخب کیا گیا ہے۔ ان خیالات کا اظہار پروفیسر انیس الرحمٰن نے غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیرِ اہتمام غالب توسیعی خطبہ پیش کرتے ہوئے کیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ مغرب نے جہاں بہت سی باتوں سے چشم پوشی کی ہے، وہیں ایسے کام بھی کیے جس کے لیے تمام ادبی دنیا کو ان کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں پروفیسر فرانس پریچٹ کا نام سرِ فہرست ہے جو اپنی بنائی ہوئی ویب سائٹ کو روزانہ اپڈیٹ کرتی ہیں۔ اس میں اردو سے متعلق جو مواد ہے وہ کسی دوسری سائٹ پر نہیں مل سکتا۔ غالب نے ساری دنیا کی توجہ اپنی طرف مبذول کی ہے۔ انصار اللہ نظر نے کوئی تیس برس پہلے غالب کی کتابیات مرتب کی تھی جس میں ساری دنیا میں لکھی جانے والی غالب سے متعلق کتابوں کی فہرست پیش کی گئی تھی۔ اب اس کو بھی نئے اضافوں کے ساتھ سامنے آنا چاہیے۔ خطبے کی صدارت غالب انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے کی۔ انھوں نے کہا: غالب توسیعی خطبہ بظاہر عام سی رسم ہے لیکن ہم اس کے انعقاد سے پہلے بہت غور و فکر اور مشورہ کرتے ہیں کہ کس شخصیت کو دعوت دی جائے تا کہ تکرار سے بچا جا سکے۔ پروفیسر انیس الرحمٰن نے جن پہلوؤں کی جانب ہمیں متوجہ کیا وہ اس لیے بھی اہم ہیں کہ وہ ساری دنیا میں ادبیات کی سمت و رفتار اور نئے چیلنجز کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ مجھے خوشی ہوئی کہ خطبے میں ہم نے نئے تقاضوں کو محسوس کیا۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر ادریس احمد نے مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے کہا کہ غالب انسٹی ٹیوٹ قومی اور بین الاقوامی سمینار کے انعقاد کے علاوہ اہم موضوعات پر توسیعی خطبات کا بھی انعقاد کرتا ہے۔ ان خطبات کے ذریعے اردو دنیا میں تحقیقی و تنقیدی رجحان کو فروغ دینا ہماری ترجیحات میں شامل ہے۔ غالب توسیعی خطبے کے ذریعے ہم دراصل یہ محسوس کرنا چاہتے ہیں کہ ادب کے وہ کون سے گوشے ہیں جن کی طرف کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس موقعے پر علم و ادب سے وابستہ کئی اہم شخصیات موجود تھیں۔

ادبی ادارہ 'ہم عصر' بہار کے زیرِ اہتمام افسانوی نشست کا انعقاد

'آدمی کدھر جائے' اور 'خیال رنگ' کا اجرا

پٹنہ (12 جولائی)۔ طویل عرصے بعد دبستانِ عظیم آباد میں ایک بار پھر فکشن کے حوالے سے ایک خوب صورت ادبی محفل آراستہ کی گئی جس میں معروف ادبا اور صحافیوں نے شرکت کر کے زبان و ادب کے تحفظ اور فروغ کے لیے اپنی سطح سے ہر ممکن کوشش کرنے کا عزم کیا۔ معروف ناول نگار اور ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ یافتہ ادیب جناب عبدالصمد کے دولت کدے پر مشہور افسانہ نگار علی امام کی صدارت میں مخصوص ادبی نشست کا انعقاد کیا گیا جس میں معروف ناقد پروفیسر شہاب ظفر اعظمی، سینئر صحافی ڈاکٹر ریحان غنی، معروف ادبا رحمان شاہی، اختر واصف، پروفیسر فضیل احمد قادری، ڈاکٹر سرور حسین، اسلم سلازار، آصف سلیم اور محترمہ ڈاکٹر رخسانہ خاتون نے شرکت کر کے محفل کو وقار بخشا۔ اس موقعے پر جناب عبدالصمد سمیت دیگر ادبا و صحافیوں کے ہاتھوں رحمان شاہی کے افسانوی مجموعے 'آدمی کدھر جائے' کی رونمائی کی گئی اور انھیں مبارک باد پیش کرتے ہوئے ان کی بھرپور ستائش کی گئی۔ قبل ازیں اختر واصف نے مجموعے 'آدمی کدھر جائے' کا تعارف بڑے ہی خوب صورت انداز میں پیش کیا۔ اس موقعے پر ڈاکٹر آصف سلیم کی کتاب 'خیال رنگ' کا اجرا بھی ہوا۔ اس کے بعد مخصوص ادبی نشست میں فکشن کے حوالے سے پہلے اسلم سلازار نے اپنا افسانہ 'ہڈی' سنایا جسے موجود سبھی ادبا نے بے حد پسند کیا اور انھیں داد و تحسین سے نوازا۔ اس کے بعد رحمان شاہی نے اپنی خوب صورت کہانی 'خون' سنائی اور اس کے توسط سے حالاتِ حاضرہ کی بہت ہی موثر طریقے سے منظر کشی کرتے ہوئے معاشرے کو مثبت و مضبوط پیغام دیا اور انسانیت کا درس بھی دیا۔ اپنی صدارتی تقریر میں بزرگ ادیب علی امام نے کہا اگر ادب بلند ہوگا تبھی زبان بھی محفوظ رہے گی اور فروغ پاتی رہے گی۔ زبان کو ترقی دینی ہے تو ادب کو فروغ دینا ہوگا۔

بزرگ ادیب اور ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ یافتہ ناول نگار جناب عبدالصمد نے اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ان کی رہائش گاہ پر ادبی تنظیم 'ہم عصر' کے زیرِ اہتمام منعقد اس مخصوص ادبی نشست کا انعقاد ان کے لیے ذاتی طور پر فخر و اطمینان کا باعث ہے۔ یہ نشست اپنی معنویت کے اعتبار سے بہت ہی مفید اور کارآمد ہے جس کا پیغام بہت دور تک جائے گا۔ اس کے بعد اس نشست کے روحِ رواں اختر واصف نے تمام ادبا اور صحافیوں کا شکریہ ادا کیا اور نشست اختتام پذیر ہوئی۔ (رپورٹ: اختر واصف)

اردو اکیڈمی کا بجٹ شفاف طریقے سے خرچ کیا جائے

ممبئی۔ آل انڈیا علما بورڈ (رجسٹرڈ) کے مہاراشٹر شوریٰ کور کمیٹی ممبر و انچارج کونکن ڈویژن حاجی شہنواز خاں نے مہاراشٹر حکومت کی جانب سے مالی سال کے بجٹ میں مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی کے لیے چھے کروڑ روپے مختص کیے جانے کا خیر مقدم کرتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ اس بجٹ کو مکمل شفافیت، دیانت داری اور منصفانہ انداز میں خرچ کیا جائے۔ انھوں نے کہا کہ اردو اکیڈمی کا بجٹ اردو زبان، ادب، تعلیم اور ثقافت کے فروغ کے لیے مختص کیا جاتا ہے، اس لیے اسے کسی بھی ایونٹ مافیا، کمیشن خور عناصر یا دلالوں کے اثر و رسوخ سے محفوظ رکھنا حکومت اور متعلقہ اداروں کی ذمے داری ہے۔ حاجی شہنواز خاں نے کہا کہ ماضی میں اردو اکیڈمی کے بجٹ کے استعمال پر مختلف سوالات اٹھتے رہے ہیں، لہٰذا اس مرتبہ حکومت اس بات کو یقینی بنائے کہ ایک ایک روپیہ اپنی اصل غرض و غایت کے مطابق خرچ ہو اور اس میں مکمل شفافیت برقرار رکھی جائے۔ انھوں نے مزید مطالبہ کیا کہ اردو اکیڈمی کے تمام پروگرام علمی، ادبی، تعلیمی، تحقیقی اور ثقافتی نوعیت کے ہوں اور انھیں صرف تفریحی یا فلمی سرگرمیوں تک محدود نہ رکھا جائے، کیوں کہ اردو اکیڈمی کا بنیادی مقصد اردو زبان و ادب کی ترقی اور فروغ ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو زبان کی ترقی، شفافیت، مساوی مواقع اور علمی سرگرمیوں کا فروغ ہی اردو اکیڈمی کا اصل مقصد ہونا چاہیے، اور حکومت کے اس مقصد کی حصولیابی کے لیے موثر اقدام کرنے چاہییں۔

'ضلع اردو نامہ' کا اجرا

اردو داں طلبہ کے لیے تقریری مسابقہ منعقد

کٹیہار (16 جولائی)۔ اردو ڈائرکٹوریٹ محکمۂ کابینہ سکریٹریٹ حکومتِ بہار، پٹنہ کی ہدایات پر ضلع انتظامیہ کٹیہار اور ضلع اردو زبان سیل کے اشتراک سے اردو داں طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لیے ایک شاندار تقریری (مباحثاتی) مسابقہ منعقد کیا گیا۔ یہ پروگرام ضلع رجسٹریشن و کاؤنسلنگ سنٹر، کٹیہار کے ہال میں منعقد ہوا، جہاں ضلع مجسٹریٹ آشوتوش دویدی نے بطورِ مہمانِ خصوصی شرکت کی۔ تقریب کا افتتاح ضلع مجسٹریٹ آشوتوش دویدی، ڈپٹی کلکٹر برائے آفات فیروز عالم، انچارج افسر ضلع اردو زبان سیل و ڈپٹی ڈائرکٹر ضلع اقلیتی فلاح انیش کمار سنہا اور دیگر معزز مہمانوں نے شمع روشن کر کے کیا۔ اپنے افتتاحی خطاب میں ضلع مجسٹریٹ آشوتوش دویدی نے کہا کہ ایسے مسابقوں کا مقصد طلبہ و طالبات کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا اور انھیں بہتر مستقبل کے لیے مواقع فراہم کرنا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس نوعیت کے پروگراموں میں شرکت کرنے والا ہر طالبِ علم کامیاب تصور کیا جاتا ہے، اس لیے نوجوانوں کو ایسے علمی و ادبی مقابلوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے۔ تقریب کے دوران ضلع اردو زبان سیل کے سالانہ ادبی و معلوماتی مجلّہ 'ضلع اردو نامہ' کا بھی اجرا عمل میں آیا۔ اس موقعے پر بتایا گیا کہ یہ رسالہ ضلع کے نوآموز ادیبوں، شاعروں اور قلم کاروں کو اظہار کا پلیٹ فارم فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اردو زبان و ادب کے فروغ، سرکاری منصوبوں اور عوامی فلاحی ...(بقیہ صفحہ 7 پر)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : **کامکھیا** (ناول)
مصنف : رحمان عباس
ضخامت : 160 صفحات
قیمت : 750/-
ناشر : عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی
تبصرہ نگار : ڈاکٹر شاہد اقبال کامران

Mobile No.: +92 3245027891

اردو فکشن کا قاری ہی سمجھ سکتا ہے کہ رحمان عباس پر ہر لحظہ گہری نظر رکھنا کتنا اور کیوں ضروری ہے۔ رحمان عباس ہمہ وقت حالت تحریر میں رہتا ہے۔ اس کا دماغ ان سنی اوران کہی کہانیوں سے اور دل سرکش اور دلنواز کرداروں سے بھرا رہتا ہے۔ وہ مجسم مسودہ، سراپا متن اور مکمل کتاب نظر آتا ہے۔ اس کی جہاں بینی اور انسان فہمی اس کی کتاب کے ابواب ہیں۔ وہ عورت کو صنف مخالف کی بجائے صنف متصل و مطابق خیال کرنے والا دانشور ہے۔ وہ خلوص نیت سے عورت کے ساتھ مرد کے جسمانی تعلق کے سوا مراسم کا کھوج لگانا چاہتا ہے۔ وہ کسی نہ کسی طرز اور طریقے سے بتاتا رہتا ہے کہ عورت ایک انسانی وجود ہے، جس کی سرداری اس کا دماغ اور دل کرتا ہے۔ نہ کہ اس کا جسم اور جبلت؛ عورت کا بدن وہ ساز ہے کہ چالباز مرد جس کے تاروں کو چھیڑ کر اس کے ردھم میں اپنا راگ الاپتے اور چپکے سے سٹک لیتے ہیں۔ وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ ان کی یہ چال بازی ساز کے ایک بار چھیڑے گئے تاروں کا ارتعاش کبھی بھی مدھم نہیں ہونے دیتی۔ سوچنا ہوگا کہ ایسی لرزاں بدن عورت کب تک اپنے دماغ کی سرداری کے توازن کو برقرار رکھ پاتی ہوگی؟ مجھے کامکھیا کو دیکھ کر فرانسیسی ناول نگار پیرا لوئی کا ناول افروڈایٹ یاد آ گیا۔ اسکول کے زمانے میں سیّد عابد علی عابد کا اردو ترجمہ پڑھا تھا اور کیا باکمال ترجمہ تھا۔ افروڈائٹ اور کامکھیا دونوں محبت، خواہش، جنس، زرخیزی اور جسم کے متعلقات کی دیویاں ہیں۔ ایک یونانی تو ایک ہندستانی۔ جہاں ایک طرف ہندستان کی کامکھیا دیوی زرخیزی، تخلیق اور عورت کی جسمانی قوتوں کی علامت ہے تو وہیں دوسری طرف یونان کی افروڈایٹ محبت، حسن، اور جنسی کشش کی علامت خیال کی جاسکتی ہے۔

کامکھیا کی پرستش و پوجا اس کی بدنی زرخیزی اور اس کے حیات افروز اعضا کی تعظیم کے طور پر کی جاتی ہے۔ کامکھیا کی زرخیزی اور اعضائی حیات افروزی وہ صفات ہیں جو زمین میں بھی یکساں طور پر پائی جاتی ہیں، اور یہ اشتراک کامکھیا کے زمینی حوالے کو مستحکم کرتا دکھائی دیتا ہے۔ جب کہ یونان کی افروڈایٹ سے انس اور توجہ کی بنیاد حسن کی تحسین اور خواہش کی تعظیم ہوتی ہے، لیکن اس ناول میں کامکھیا دیوی نہیں، ایک عام عورت ہے۔ وہ اپنے نام کی معنویت اور گھریلو پس منظر کی اذیت؛ دونوں سے واقف رہی۔ وہ ناول میں کسی جاننے والے سے اپنے نام کا مطلب اور معنی پوچھتی ہے:

> ''...اچھا تو بتا کیا ہے میرے نام کا مطلب: اچھی ہندی میں ڈیٹیل سے وہ بولا تھا۔ سچ بولوں تو میں بہت سارے شبد سمجھ نہیں پائی تھی اور اب بھول بھی گئی ہوں۔ اس کے بولنے کا مطلب تھا کامکھیا، سنسکرت بھاشا کا ورڈ ہے۔ 'کام' اور 'اکھیا' سے بنا ہے۔ کام کا مطلب اچھا اور اکھیا مطلب شکل۔ پورے نام کا مطلب ہوتا ہے وہ جس کا نام یا شکل اچھا ہے بولے تو ڈیزائر، خواہش۔ بولا تھا کامکھیا اُس دیوی کا نام ہے جو ہر اچھائی کی جننی ہے اور ہر خواہش کو پورا کرتی ہے۔ اس کی پوجا لائف دینے والی اور دویہ گربھ کے طور پر کرتے ہیں۔ گربھ، یونی، ماہمواری سب ماں سے جڑے ہیں، کریشن میں رول ادا کرتے ہیں... یاد آیا، وہ یہ بھی بولا تھا کہ کامکھیا کا رشتہ ادی شکتی کی انرجی سے ہے، اور کامکھیا ایک ایسی دیوی ہے جو اپنے ماننے والوں کی ہر اِچھا پوری کرتی ہے۔ آسام میں کامکھیا دیوی کا مندر ہے جہاں کہتے ہیں دیوی ستی کے بدن کا خاص انگ گرا تھا۔ تانترک پرمپرا میں بھی کامکھیا کا بڑا استھان ہے۔ جہاں اِچھا کوئی دبانے والی چیز نہیں ہے بلکہ ایک پوتر ستیہ ہے جو آتما کو مکتی کی طرف لے جاتا ہے۔ جب وہ یہ سب بولا تھا سچ یہ ہے کہ میں تھوڑی دیر کے لیے پاسٹ میں چلی گئی۔''

کامکھیا کے لیے اس کا نام صرف ایک اسم ذاتی نہیں تھا، کامکھیا اس کے باپ کے ساتھ اس کی ماں کی طرف سے منسوب کی گئی ایک عورت کا نام بھی تھا۔ کامکھیا کی ماں اس عورت کو چھمک چھلو، تانترک اور کالا جادو کرنے کی ماہر قرار دیتے ہوئے الزام لگاتی تھی کہ اس کے باپ کا اس چھنال کے ساتھ لفڑا چالو ہے۔ ماں باپ کی اسی دھماچوکڑی میں اس کا باپ ایک دن مر گیا۔ اپنے اس اذیت ناک پس منظر کے باوجود کامکھیا زندگی کا شکار بننے کی بجائے زندگی کرنے اور اپنی مرضی کے مطابق سنوارنے کا فیصلہ کرتی ہے، وہ جسم ہو کر ذہن کو استعمال کرتی ہے۔ وہ گرہیں کھول سکے یا نہ کھول سکے، وہ گرہوں کو ٹٹولتی اور کبھی کبھار کھولتی بھی ہے۔ وہ گٹر اور سمندر کا فرق اور فاصلہ سمجھنے والی دیوی نہیں، عام عورت ہے۔ رحمان عباس نے اس ناول میں ایک بڑے اور تہ دار شہر کو خواب و خیال اور حسن و جمال کی اقلیم سے نکال کر سطح زمین پر رینگنے والی اور نظرانداز کی جا چکی مخلوق کی نظر سے دیکھنے، سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ بمبئیا بولی لسانی مطالعات کے نصاب کا حصہ بن سکتی ہے۔ رحمان عباس نے سمندر آشنا ہونے کے باوجود (شاید) پہلی بار گٹر اور اس کے اطراف کی زندگی، اور بو باس کو ایک توانا علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔ بمبئی رحمان عباس کے ہاں صرف ایک شہر نہیں، انسانوں اور حیوانوں سے معمور ایک گھنا جنگل ہے۔ اسے علامت قیاس کیا جا سکتا ہے۔ یہ شہر گٹر سے لے کر گہرے سمندر تک اپنے اندر اترنے، بہنے، اچھلنے، تیرنے اور سمندر میں تحلیل ہو جانے والی کہانیوں اور ہوا میں بھاپ بن کر اڑ جانے والے قصوں سے معمور رہتا ہے۔ بمبئی کی حقیقی ثقافت کو ایک عورت کی تمثیل سے ہی بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس ناول میں اس عورت کا نام کامکھیا ہے۔ کامکھیا کی خودنوشت ایک اندرونی شہادت خیال کی جاسکتی ہے۔ یہ ناول اپنے موضوع پر ایک معنی خیز پیش رفت ہے۔ کامکھیا رحمان عباس کے زندیق کی طرح ایک ضخیم ناول نہیں ہے۔ ایک سو ساٹھ صفحات میں ایک عورت کی خودنگری و خودشناسی اور خودنمائی و خودشکنی تک کی کہانی مکمل تفصیل اور تشفی کے ساتھ لکھ لینا ثابت کرتا ہے کہ ناول کی معنی آفرینی کا تعلق ضخامت سے نہیں، ذہانت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور ذہانت بھی دوطرفہ ہونی چاہیے۔ ان ابتدائی نظربازیوں کے بعد اب مجھے مرزا غالب کے اس شعر:

اک نو بہار ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغ مے سے گلستاں کیے ہوئے

کی تازگی اور معنی آفرینی کو ذہن میں رکھتے ہوئے ناولوں کی نو بہار ناز 'کامکھیا' کے ساتھ کچھ وقت گزارنا ہوگا۔ ◆◆

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

میرے مضامین (مجموعۂ مضامین و مقالات)	ڈاکٹر ماجد دیوبندی	300/-
نسخۂ حفیظ الدین احمد	اطہر فاروقی	1000/-
سرودِ عشق	شاہ رُخ جمال	200/-
گل دوگانہ	سیّد کاشف رضا	300/-
مشائخِ دہلی کی جامع تاریخ	پروفیسر شریف حسین قاسمی	700/-
مقالاتِ نظامی (پانچ جلدیں)	خلیق احمد نظامی	4500/-
نگینے لوگ (خاکوں کا مجموعہ)	معصوم مرادآبادی	250/-
ہمارا شہر اُس برس (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	700/-
میں میر میر کر اس کو بہت پکار رہا	سرور الہدیٰ	500/-
1857 کی اَن کہی حیرت انگیز داستانیں	شمس الاسلام	300/-
دیوؤں کا ظہور (الوک اگروال/ مینک اگروال)	مترجم: سیّد وجاہت مظہر	500/-
غزل اور فنِ غزل	ڈاکٹر نریش	200/-
فرہنگِ تلفظ: ایک تحقیقی و تنقیدی مطالعہ	سیّد رضوان علی ندوی	
	رؤف پاریکھ	250/-
مشاہیرِ ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام	ابراہیم افسر	600/-
منیب الرحمٰن کی ایک صدی	بیدار بخت/ انور احمد	400/-
اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میانِ من و تو (تحقیقی و تنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میراجنون اردو (خطبات و مضامین)	طاہر محمود	700/-
میر کی خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انورِ عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق و توازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری و تاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر...	میر حسین علی امام، یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-
لفظ (کلیاتِ زہرا نگاہ)	زہرا نگاہ	500/-
In This Live Desolation (Autobiography of Akhtarul Iman)	ترجمہ: بیدار بخت	500/-
سخنِ افتخار (کلیاتِ افتخار عارف)	افتخار عارف	1500/-
گواہی (شاعری)	گوہر رضا	500/-
میری زمین کی دھوپ (ہندی)	ونود کمار ترپاٹھی بشر	400/-
کھُلا دروازہ	ڈاکٹر نریش	250/-
ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ)	محبوب الرحمان فاروقی	300/-
اپنی دنیا آپ پیدا کر	غلام حیدر	900/-

مسائلِ لغت و قواعد اور رشید حسن خاں کے فکری ابعاد

(بقیہ صفحہ 3 سے آگے)

’چھپنا‘ ہی صحیح ہے، لیکن اگر آپ کا نسخہ خود مصنف کے خط میں ہے تو میں یہی کہوں گا کہ یہاں میر امن کا دہلوی پن نکل گیا ہے۔ کوئی دہلوی نہ تو ’چاہتا‘ (pkfgrk) کہے گا اور [نہ] چھپنا (fNiuk)۔“[۲۳]

رشید حسن خاں نے گیان چندجین کے نام 16 نومبر 1988 کو لکھے خط میں کلاسکی متون میں در آئے لفظوں کے درست املا پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ رشید صاحب نے لفظ ’صبح خیز‘، ’پنڈت خانہ‘، ’بند میخانہ‘ ’پنڈت شالہ‘ پر تبادلۂ خیال کیا ہے۔ یاد رہے کہ موصوف اس دورانیے میں فسانۂ عجائب اور باغ و بہار کے تدوینی کاموں میں ہمہ تن مصروف تھے۔ اس لیے وہ اپنے ادب نواز دوستوں سے کلاسکی متون میں موجود ایسے الفاظ پر قلمی گفتگو کرتے جن کا استعمال غیر معمولی طریقوں سے صاحبِ متون نے کیا ہے۔ یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ رشید صاحب کلاسکی لفظیات کی تحقیق کو مزید بہتر طور پر دیگر عالموں سے سمجھنا چاہتے تھے تاکہ متون کی تدوین و تحقیق میں کسی بھی طرح کا اشکال نہ رہے۔ خاں صاحب کی ان کاوشوں نے ان کے کام کرنے کے طور طریقوں میں معروضیت پیدا کی۔ انھوں نے کلاسکی متون کی تدوینی مشکلات کو لغات و فرہنگوں کی مدد سے آسان بنانے کی کامیاب کوشش کی۔ اس موقعے پر گیان چندجین کے نام لکھے خط کا اقتباس ملاحظہ کیجیے جس میں مذکورہ بالا لفظوں پر تفصیلی گفتگو شامل ہے ساتھ ہی اندازہ کیجیے کہ رشید حسن خاں ایک ایک لفظ کے استعمال پر کس قدر تحقیقی بحث کرتے ہیں:

”آپ کا خط ملا تھا۔ اُس میں ویسے تو کوئی جواب طلب بات نہیں تھی، مگر ’صبح خیزیا‘ کے ذیل میں آپ کا یہ اندراج کہ یہ سرشار کے ذہن کی تخلیق ہے، اس خط کا باعث بنا۔ یہ لفظ بہت پہلے سے اُردو میں مستعمل تھا، مثلاً میر امن اور سودا دونوں کے یہاں موجود ہے۔ باغ و بہار میں تو شروعِ قصہ ہی میں آتا ہے اور سودا کی وہ مثنوی جو کوتوال کی ہجو میں ہے، اُس کا شعر ہے:

نپچ سکے اب کسی کی کیوں کرشے
مُلّا مسجد کا، صبح خیزیا ہے

لُغات میں بھی یہ لفظ موجود ہے۔ ’پنڈٹ خانہ‘ کے متعلق یہ عرض کروں کہ یہ ہر جگہ ”پنڈت خانہ“ ملتا ہے۔ یعنی ت علاحدہ لکھی ہوئی ہے، یوں یہ اشتباہ نہیں پیدا ہوسکتا کہ شاید یہ ”بند میخانہ“ ہو۔ ایک بات اور: ابھی ایک طالبِ علم نے ایک کتاب دکھائی جو عہدِ ہمایوں کی ہے، اُس میں ’قید خانہ‘ کے مرادف کے طور پر ’پنڈت شالہ‘ مندرج ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ قدیم لفظ ہے اور اس کی اولین شکل ’پنڈت شالہ‘ تھی۔ (دھرم شالہ وغیرہ کے انداز پر) بعد کو یہ ’پنڈت خانہ‘ بنا ہے۔ کوئی نہ کوئی نسبت ہے ضرور، آپ بھی ذہن میں رکھیے گا، میں بھی کوشش کرتا رہوں گا کہ اس کی اصل معلوم ہوسکے۔ مطلب یہ کہ میر امن کے ذہن کی اُپج نہیں۔ باغ و بہار کے متعدد لفظوں کے متعلق پہلے میرا یہ خیال بھی تھا کہ وہ میر امن کی خاص بولی سے تعلق رکھتے ہیں، مگر تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ سب قدیم مستعمل لفظ ہیں۔ باغ و بہار کی اس تدوینِ نو سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ بہت سے لفظوں کے تلفظ و املا وغیرہ کے متعلق بہت کچھ معلوم ہو گیا؛ اس بنا پر میں نے یہ التزام کیا ہے کہ جملہ قلیل الاستعمال لفظوں کے تلفظ اور املا سے متعلق وضاحتی نوٹ ضرور لکھے جائیں۔

چوں کہ میر امن کی تقلید میں میں نے بھی لفظوں پر یہ اعراب لگائے ہیں، اس لیے یہ لازم ٹھہرا کہ میں یہ بھی بتاؤں کہ اس لفظ پر یہ اعراب کیوں لگایا ہے، وہاں بھی اس کی وضاحت کی ہے، یعنی ایسے سارے مقامات پر، جہاں کسی بھی طرح کا اشتباہ یا کوئی سوال پیدا ہوسکتا ہے۔ مثلاً لفظِ صاحب کے مرکبات، کہ اُردو میں یہ مع اضافت بھی مستعمل ہیں اور بغیر اضافت بھی، جب کہ قواعد کی کتابوں میں اس لفظ کو ’مقطوعُ الاضافت‘ لکھا گیا ہے۔ یعنی بہ صورتِ اضافت بَ کے نیچے زیر نہیں آئے گا۔ میں نے ایسے جملۂ مرکبات کے ذیل میں یہ بتایا ہے کہ یہاں اضافت کا جو زیر لگایا گیا ہے، یا نہیں لگایا گیا ہے، اُس کی وجہ کیا ہے۔“[۲۴]

رشید حسن خاں نے پروفیسر سید محمد عقیل رضوی کے نام 17 دسمبر 2002 کو لکھے خط میں لفظ ’کھڑا دونا‘ اور ’کھڑی نیاز‘ پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ دراصل رشید صاحب یہ واضح کر لینا چاہتے تھے کے شیعوں اور سنیوں میں منت مانگنے اور نیاز کے لیے ’کھڑا دونا‘ لفظ کا استعمال کس طرح ہوتا ہے۔ اس لفظ کے مطلب و مفاہیم کے سلسلے میں خاں صاحب نے پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی کے سامنے فسانۂ عجائب، اُردو لغت، دریائے لطافت، نور اللغات، علمی اُردو لُغت اور جامع اللغات کی مثالیں پیش کی ہیں۔ واضح رہے کہ رشید صاحب اپنی کتاب ’کلاسکی ادب کی فرہنگ‘ کے لیے لفظوں کی اصل ساخت اور استعمال کے طریقوں کے لیے ہندو پاک کے اہلِ علم و قلم سے استفسار کررہے تھے تاکہ ان سے غلطیاں کم ہونے کا خطرہ رہے۔ خط کا اقتباس ملاحظہ کیجیے جس میں لفظوں کی ساخت اور لغت میں اس کے استعمال و مفاہیم پر گفتگو کی گئی ہے:

”کھڑا دَونا (مشکل کشا کا کھڑا دونا) اور کھڑی نیاز، ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ جس فرق کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے (نیاز-فاتحہ) یہ بعد کا اضافہ ہے، دورِ اوّل میں یعنی عہدِ سرور تک یہ فرق نہیں تھا۔ اور یہ کہ یہ منت مولا مشکل کشا کے نام کی ہوتی تھی، حضرت فاطمہؓ کے نام کی نہیں۔ نیاز بروزن فاع اور نیاز بروزنِ فعول میں کچھ قباحت نہیں۔ پیار، پیاز، پیاس جیسے لفظوں میں یائے مخلوط بھی ملتی ہے اور یائے مظہرہ بھی۔

فسانۂ عجائب میں اس کا ذکر دو جگہ آیا ہے، ص 129 پر اور ص 248 پر۔ دونوں جگہ منّت ماننے والی عورتیں ہیں۔ ص 248: ’تو مشکل کشا کا کھڑا دونا دوں گی۔‘ نور اللغات میں واضح طور پر اسے حضرت علیؑ کی ’نیاز‘ لکھا گیا ہے اور یہ بجائے خود درست ہے۔ یہ نیاز فوراً دی جاتی ہے، اسی لیے کھڑا دونا کہلاتی ہے، یعنی منّت پوری ہوتے ہی دونے میں شیرینی فی الفور آئی اور فوراً نیاز دی گئی۔ (ہاتھوں ہاتھ کے کام کو، فوری طور پر کام کرنے کو ’کھڑا کھیل‘ کہا جاتا ہے)۔

اُردو لُغت کی پندرھویں جلد میں ’کھڑا دونا‘ کے تحت لکھا گیا ہے: ’تیار دونا، بازار سے منگوائی ہوئی شیرینی، مراد: ہاتھ کے ہاتھ فوراً کے فوراً نیاز دلوانا۔

کسی نے مشکل کشا کا کھڑا دونا مانا تھا، کسی نے بی بی کی پڑیاں مانگی تھیں (جادۂ تسخیر) بیگم صاحبہ صندوقچہ کھول کر بولیں: لو یہ ڈھائی روپے کی پنچ میل مٹھائی منگا کر کھڑا دونا دو (’آبلہ دل کا‘)۔

کھڑا دونا دوں گی: فقرہ۔ عورتیں: یعنی منت مانتی ہوں کہ مراد پوری ہونے پر فوراً نیاز دلواؤں گی۔

نیازِ مشکل کشا دست بدست خواہم داد (دریائے لطافت) جلد پانزدہم، ص 664)

آخری مثال یہ عبارت سیّد انشا کی دریائے لطافت کی ہے اور اِس سے واضح ہوتا ہے کہ فاتحہ اور نیاز کا فرق (اگر ہے اور جو بھی ہے) وہ بعد کی چیز ہے۔ اور یہ کہ ”کھڑا دونا“ کی نیاز کا تعلق صرف حضرت علیؑ سے ہے، حضرت فاطمہؓ سے نہیں۔ اور یہ اضافے کہ کھڑے کھڑے نیاز دی جائے یا کھڑے کھڑے اُس شیرینی کو کھایا جائے، یہ سب بعد کے خیالی اضافے ہیں۔

اسی لُغت (اُردو لُغت) میں اسی ذیل میں مثلاً، رنگین کا یہ شعر بھی درج کیا گیا ہے:

شرطی اُڑاؤں پُڑیاں اور دوں میں کھڑا دَونا
گر آب کے مجھ سے مل جائے پیر میری باجی

کھڑی نیاز دلانا/دینا: مراد پوری ہونے پر فوراً نیاز دینا، کھڑا دونا دینا (علمی اُردو لُغت، نور اللغات، جامع اللغات)“ ایضاً ص 676۔[۲۵]

حواشی:

۱۹ ایضاً، ص 673-674
۲۰ ایضاً، ص 780
۲۱ ایضاً، ص 908
۲۲ رشید حسن خاں کے خطوط (جلد چہارم) مرتبہ ڈاکٹر ٹی. آر. رینا، اصیلا آفسیٹ پریس، نئی دہلی، اپریل 2026، ص 422
۲۳ ایضاً، ص 423
۲۴ رشید حسن خاں کے خطوط، مرتبہ ڈاکٹر ٹی. آر. رینا، اُردو بک ریویو، نئی دہلی، فروری 2011، ص 785
۲۵ ایضاً، ص 869-870

(باقی آئندہ)

’ضلع اردو نامہ‘ کا اجرا، اردو داں طلبہ کے لیے تقریری مسابقہ منعقد

(بقیہ صفحہ 5 سے آگے)

اسکیموں سے متعلق مفید معلومات بھی شائع کرتا ہے۔ اس کے بعد مختلف تعلیمی زمروں میں تقریری مسابقے کا انعقاد کیا گیا جس میں سیکڑوں طلبہ و طالبات نے بھرپور جوش و خروش کے ساتھ حصہ لیا۔ **پہلا زمرہ** (میٹرک ومساوی): اس زمرے میں 48 طلبہ و طالبات شریک ہوئے۔ ارباب دانش نے پہلی پوزیشن حاصل کی، جب کہ فہمیدہ پروین، بھانو پریا اور محمد عمار مشترکہ طور پر دوسرے نمبر پر رہے۔ صاحبہ خاتون، رینا خاتون، فضا بانو اور حماد نے مشترکہ طور پر تیسری پوزیشن حاصل کی۔ **دوسرا زمرہ** (انٹرمیڈیٹ ومساوی): 35 طلبہ و طالبات نے حصل لیا۔ عبید اللہ انصاری نے پہلی پوزیشن حاصل کی، جب کہ محمد ندیم، نور افروز اور محمد فرقان مشترکہ طور پر دوسرے نمبر پر رہے۔ یاسمین خاتون، جعفرین خاتون، فردوس اور حسن آرا خاتون نے مشترکہ طور پر تیسری پوزیشن حاصل کی۔ **تیسرا زمرہ** (گریجویشن ومساوی): اس زمرے میں 21 طلبہ و طالبات نے شرکت کی۔ ابرار الحق نے پہلی، محمد جنید، محبوب عالم اور ابوالکلام آزاد نے مشترکہ طور پر دوسری، جب کہ محمد منار الحق، رخسانہ خاتون، محمد شباب الدین اور محمد عرفان نے مشترکہ طور پر تیسری پوزیشن حاصل کی۔ تمام کامیاب طلبہ و طالبات کو توصیفی اسناد اور مومنٹو سے نوازا گیا۔ انچارج افسر ضلع اردو زبان سیل انیش کمار سنہا نے کہا کہ سرکاری ضوابط کے مطابق جلد ہی تمام انعام یافتگان کے بینک کھاتوں میں انعامی رقم منتقل کردی جائے۔ پروگرام کی نظامت محمد منہاج عالم ندوی، اردو مترجم اور رضاء اللہ، معاون اردو مترجم نے انجام دی، جب کہ حَکم کے فرائض شگفتہ یاسمین، عادل عفان، اعزاز قاسمی، مشتاق احمد ندوی اور کلام اجنبی نے انجام دیے۔

(روزنامہ ’پندار‘۔ پٹنہ)

’نگارشاتِ سحر‘ پر ایک نظر

ڈاکٹرارشدمحمودناشاد

پروفیسر سحر انصاری کا نام آتے ہی ذہن میں سب سے پہلے ایک ایسے شاعر کا تصور اُبھرتا ہے، جس نے اپنی غزل کے ذریعے کلاسکی روایت کی دل آویزی کو عصرِ حاضر کی فکری اور تہذیبی حسّیت سے ہم آہنگ کیا۔ اُن کی شاعری ہی ان کی شناخت بنی، اسی نے انھیں مقبولیت بھی دی اور ادبی وقار بھی لیکن بڑی شخصیات کی شہرت کا ایک روشن پہلو بعض اوقات اُن کے دوسرے اہم پہلوؤں پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ سحر انصاری کے ساتھ بھی کسی حد تک یہی معاملہ پیش آیا۔ ان کی شاعری پر تو بہت کچھ لکھا گیا، ان کے شعری محاسن کا بارہا اعتراف ہوا، مگر ان کی نثر خصوصاً ان کے تنقیدی، تحقیقی اور فکری مضامین وہ توجہ حاصل نہ کرسکے، جس کے وہ بجا طور پر مستحق ہیں۔ حالاں کہ سحر انصاری کی نثر ان کی شاعری کا حاشیہ نہیں، بلکہ ان کی علمی شخصیت کا مستقل باب ہے۔ اگر شاعری ان کے تخلیقی وفور کی آئینہ دار ہے تو ان کی نثر ان کے فکری وقار، تحقیقی بصیرت اور تنقیدی توازن کی ترجمان ہے۔ ان کے مضامین میں ایک وسیع المطالعہ محقق، ایک منصف مزاج نقاد، ایک باخبر معلم اور ایک تہذیب شناس ادیب ساتھ ساتھ دکھائی دیتا ہے۔ ’نگارشاتِ سحر‘ اسی نسبتاً اوجھل مگر نہایت اہم جہت کو ہمارے سامنے لانے کی ایک خوش آئند اور دل کش کاوش ہے۔ یہ محض چند مضامین کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک ایسے صاحبِ قلم کے فکری سفر کا آئینہ ہے، جس نے نصف صدی سے زیادہ عرصے تک ادب کو صرف تخلیق کا میدان نہیں سمجھا بلکہ تحقیق، تنقید، تہذیب اور روایت کے باہمی رشتوں کو بھی اپنی نگارشات کا موضوع بنایا۔ یہ کتاب بلاشبہ اُن کی علمی شخصیت کا مستقل اور توانا اظہار ہے۔ وہ اپنے موضوعات کو محض معلومات کی کھتونی نہیں بناتے بلکہ ان کے تہذیبی اور فکری پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی نئی تعبیر پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مضامین میں وقتی تاثر کی جگہ دیرپا علمی مکالمے کی خوبی پیدا ہوگئی ہے۔

’نگارشاتِ سحر‘ کی ایک اور نمایاں خوبی اس کا موضوعاتی تنوع ہے۔ کتاب میں غالب، اقبال، ٹیگور، مولوی عبدالحق، جوشؔ، حسرتؔ، فراقؔ، غلام عباس، جمیل مظہری، شان الحق حقی اور سجاد ظہیر کے فکروفن اور

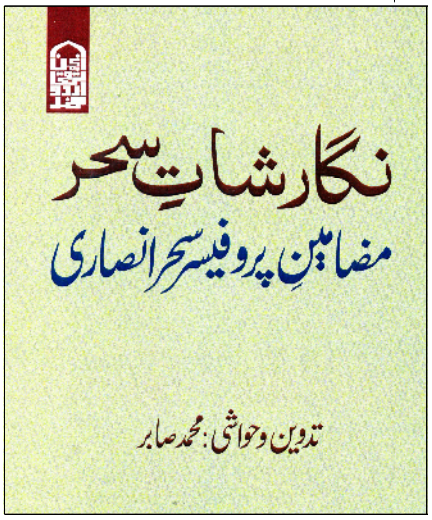

اسلوب ونگارش کے حوالے سے ایسے مطالعات شامل ہیں، جن سے مصنف کے مطالعے کی وسعت، ذوق کی ہمہ رنگی اور تنقیدی شعور کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان تمام مضامین کو یکجا پڑھنے سے یہ احساس گہرا ہوتا جاتا ہے کہ موضوعات اپنے اختلاف کے باوجود ایک ہی زاویۂ نظر کے اسیر ہیں۔ ادب کو تہذیبی شعور، انسانی تجربے اور فکری ارتقا کے تناظر میں سمجھنے کا زاویہ ان مضامین میں روح کی طرح موجزن ہے۔ اس مجموعے کا سب سے نمایاں پہلو، میرے نزدیک، سحر انصاری کے تحقیقی مزاج کی متانت اور وقار ہے۔ ہمارے ہاں تحقیق اکثر حوالوں کی کثرت اور مآخذ کی فہرست تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے، لیکن سحر انصاری کے یہاں تحقیق کا مفہوم اس سے کہیں زیادہ وسیع اور گہرا ہے۔ وہ مواد جمع کرنے سے زیادہ اس کی تعبیر پر زور دیتے ہیں۔ کسی بھی تخلیق کار پر گفتگو کرتے ہوئے وہ محض روایتی معلومات کی تکرار نہیں کرتے بلکہ شخصیت، عہد اور تہذیبی پس منظر کے باہمی تعلق کو واضح کرتے ہیں۔ یہی تحقیقی دیانت ان کے مضامین کو محض معلوماتی نہیں رہنے دیتی بلکہ انھیں فکری دستاویز کا درجہ عطا کرتی ہے۔ یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ سحر انصاری کے یہاں تحقیق اور تنقید ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔ تحقیق ان کی تنقید کو بنیاد فراہم کرتی ہے اور تنقید تحقیق کو معنی عطا کرتی ہے۔ ان کے ہاں نہ تاثراتی بے احتیاطی ہے، نہ نظریاتی جمود؛ بلکہ دلیل، اعتدال اور علمی دیانت ان کی تنقید کا بنیادی روغن ہے۔

سحر انصاری کی نثر بھی ان کی شخصیت کی طرح باوقار ہے۔ اس میں ایک شاعر کی لطافت، ایک استاد کی وضاحت، ایک محقق کی احتیاط اور ایک نقاد کی بصیرت یکجا ہوگئی ہے۔ ان کی عبارت نہ لفظی نمائش سے بوجھل ہوتی ہے اور نہ خشک علمی انداز اختیار کرتی ہے۔ وہ مشکل مباحث کو سہل انداز میں بیان کرتے ہیں، مگر سہل نگاری اُن کی ادبی اور تہذیبی سطح کو کمزور نہیں ہونے دیتی۔ یہی وصف ان کی نثر کو دل آویز بھی بناتا ہے اور معتبر بھی۔ ان مضامین کا مطالعہ کرتے ہوئے سحر انصاری کی شخصیت کے مختلف زاویے یکے بعد دیگرے منکشف ہوتے ہیں۔ کہیں وہ محقق ہیں، کہیں نقاد، کہیں تہذیب شناس، کہیں معلم اور کہیں ایک حساس ادیب۔ اُن کی شخصیت کے تہذیبی عناصر اُن کی تحریروں میں گندھے ہوئے ہیں جو انھیں متوازن اور باوقار بناتے ہیں۔

کتاب کے مرتب محمد صابر خصوصی تہنیت وتبریک کے مستحق ہیں۔ کسی بڑے تخلیق کار کی منتشر تحریروں کو جمع کرنا صرف تدوینی کام نہیں بلکہ ایک ادبی ذمہ داری بھی ہے۔ محمد صابر نے نہ صرف سحر انصاری کے مضامین کی جمع آوری کا فریضہ انجام دیا بلکہ اُن کی ترتیب وپیش کش اور حاشیہ آرائی میں جس سلیقے سے کام لیا ہے، اس میں محنت کے ساتھ ذوق بھی اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب سحر انصاری کی نثری شخصیت کا ایک متوازن تعارف بن گئی ہے۔ آج کے عہد میں، جب مطالعے کی گہرائی کم اور اظہار کی جلد بازی زیادہ دکھائی دیتی ہے، ’نگارشاتِ سحر‘ جیسی کتابیں ہمیں اس علمی روایت کی یاد دلاتی ہیں، جس میں تحقیق، تنقید، تہذیبی شعور اور فکری دیانت ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔ یہ کتاب صرف سحر انصاری کی نگارشات کا مجموعہ نہیں، بلکہ اردو تنقید کی اس مہذب روایت کی نمائندہ ہے جس میں اختلاف بھی استدلال کے ساتھ ہوتا ہے اور تحسین بھی دلیل کے ساتھ۔ بڑی کتابوں کی اہمیت اس بات میں نہیں ہوتی کہ وہ اپنے مصنف کے بارے میں ہمیں کتنی معلومات فراہم کرتی ہیں، بلکہ اس میں ہوتی ہے کہ وہ ہمیں اپنے مصنف کو ازسرِنو پڑھنے پر آمادہ کرتی ہیں۔

’نگارشاتِ سحر‘ پروفیسر سحر انصاری کی اس علمی اور فکری شخصیت سے ہمیں متعارف کراتی ہے، جو اُن کی شعری شہرت کے پس منظر میں کسی قدر اوجھل رہی۔ اس کے مطالعے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ ان کی شاعری اور نثر دو الگ دُنیائیں نہیں بلکہ ایک ہی تہذیبی اور فکری شعور کے دو اظہاریے ہیں؛ ایک میں احساس نے شعر کا قالب اختیار کیا ہے اور دوسرے میں فکر نے نثر کا۔ مرتب محمد صابر کی یہ کاوش اس اعتبار سے لائقِ تحسین ہے کہ اُنھوں نے صرف منتشر مضامین کو یکجا نہیں کیا، بلکہ سحر انصاری کی علمی شخصیت کی ایک مربوط تصویر ہمارے سامنے رکھ دی ہے، اس لیے ’نگارشاتِ سحر‘ کو محض مضامین کا مجموعہ کہنا اس کے ساتھ انصاف نہیں ہوگا؛ یہ اردو ادب کے ایک معتبر دانش ور کی فکری اور تہذیبی روداد بھی ہے اور ہمارے عہد کی تنقیدی وتحقیقی روایت کا ایک روشن باب بھی۔ یہی اس کتاب کی اصل قدر و قیمت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آئندگان کے لیے یہ کتاب پروفیسر سحر انصاری کے فکروفن کے مطالعے میں ایک اہم اور مفید ماخذ ثابت ہوگی۔

صدرِ شعبۂ اُردو، علّامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
Mob. No.: +923005391140

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر: محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
معاون مدیران: منور حسن کمال، سالم فاروق ندوی
Assisistant Editors :
Munawwar Hasan Kamal, Salim Farooq Nadwi
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002 and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***